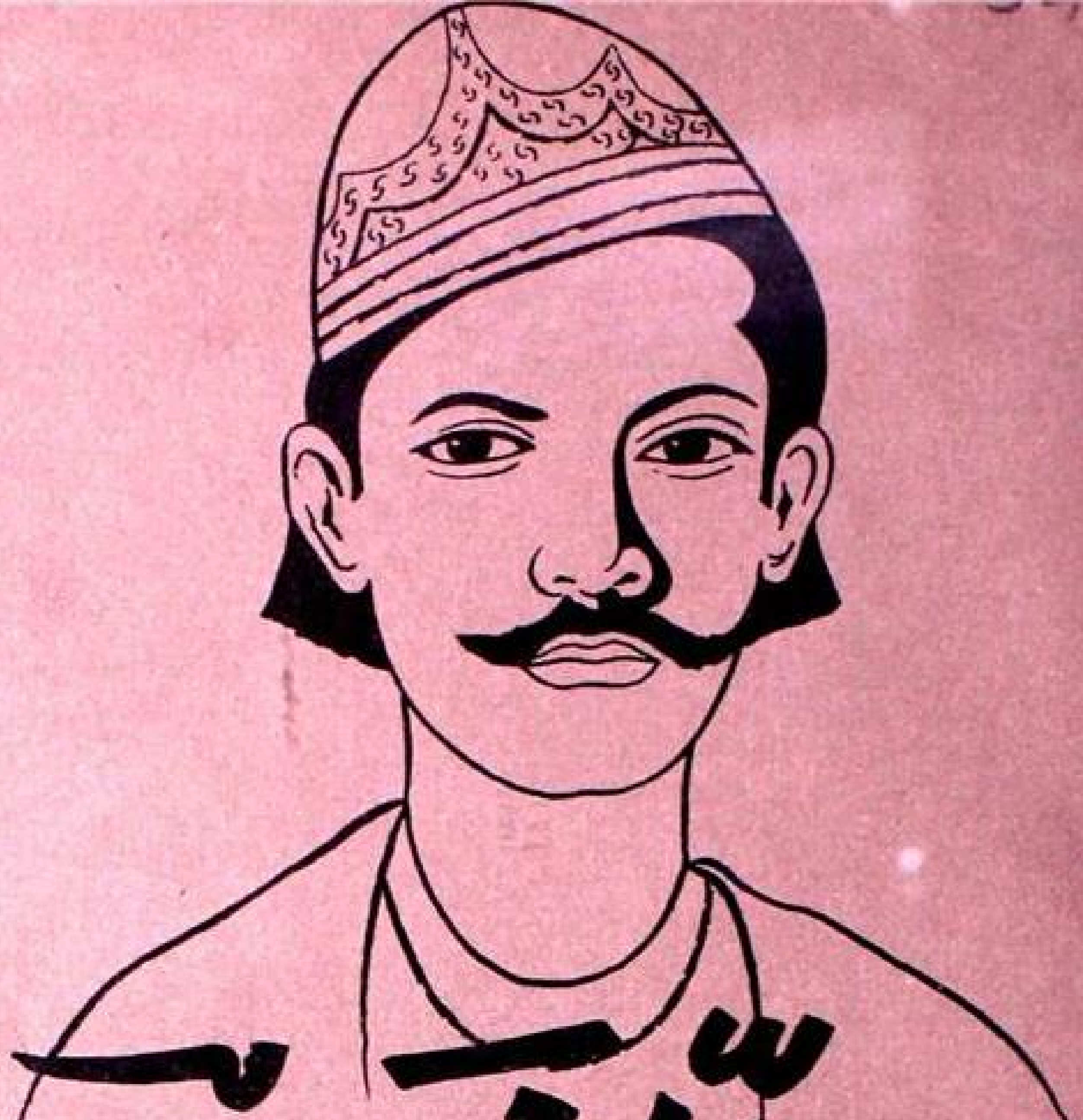


تجلیاتِ انیس

صنفِ سلام میں فکرِ انیس کی جولانیاں

مرتبہ

سید یوسف حسین شائق لکھنوی

مقدمہ

ڈاکٹر سید صفدر حسین زیدی

تجلیاتِ انیس

(صنفِ سلام میں فکرِ انیس کی جولانیاں)

تجلیاتِ انیس

(صنفِ سلام میں طبعِ میر انیس کی جولانیاں)

مرتبہ

سید یوسف حسین شائق لکھنوی

مقدمہ

ڈاکٹر سید صفدر حسین زیدی

سالِ طبع ۱۹۷۶ء
تعداد ۱۰۰۰
کتابت کوثر علی نقوی امروہوی
طابع منظور پرنٹنگ پریس، لاہور
ناشر سید ظفر حسن
قیمت دس روپے

سنگِ میل پبلی کیشنز
چوک اُردو بازار ○ لاہور

ترتیب

٭ یہ سلام میر سلیس کا ہے، یہاں غلطی سے شامل ہوگیا ہے۔

صنفِ سلام اور اُس کی نشو و نما

اُردو شعر و ادب میں "سلام" ایک ایسی صنفِ سخن کا نام ہے جس میں غزل کی عروضی ہیئت کے اندر، رسولِ اکرمؐ، ائمۂ کرامؑ، اہلِ بیتِ اطہار اور خاصانِ خدا کی سیرت اور اُن کے کارناموں کی تشریح و تعبیر بیان کی جاتی ہے۔ خصوصاً کربلا کے ہیرو حضرتِ امام حسینؑ اور اُن کے اعزّہ و انصار کا تذکرہ پیشِ نظر ہوتا ہے۔ اِن مقرّبانِ خدا نے چونکہ حق و صداقت اور دین کی حمایت میں دنیا کی عظیم قربانیاں پیش کی تھیں اس لئے ایسے موضوعات بھی شاعر کے دائرۂ فکر میں آجاتے ہیں جن سے اعلیٰ اقدارِ حیات اور محاسنِ انسانی کی ترویج و تبلیغ کا کام لیا جاسکتا ہے۔ گویا "سلام" کے احاطۂ خیال میں مسائلِ حیات و کائنات پر بھی تبصرے کی گنجائش ہوتی ہے تاکہ منشائے الٰہی، اُسوۂ رسولؐ اور فکرِ اہلِ بیت کی وضاحت کرکے عملِ خیر کی ترغیب دی جاسکے۔

ابتدا میں سلام کا مقصدِ اصلی بزرگانِ دین کی روحوں پر براہِ راست درود و سلام بھیجنا ہوتا تھا اور یہ تخصیص بھی نہیں ہوتی تھی کہ سلام صرف غزل ہی کی عروضی ترکیب کا پابند ہو۔ چنانچہ متقدّمین کے ذخیرۂ کلام میں ہمیں جو نمونے ملتے ہیں اُن میں مُنفرد اشعار کے سلاموں کے علاوہ مثلث یا مربّع ہیئت کے سلام بھی موجود ہیں لیکن نئے ادبی شعور اور مجلسِ عزا کے بدلتے ہوئے تقاضوں نے رفتہ رفتہ "سلام" کی ہیئت اور نفسِ مضمون کی ترکیب و تشکیل میں بعض تبدیلیوں کو رُونما کیا۔ چنانچہ رسولؐ و ائمہؑ سے براہِ راست تخاطب کا طریقہ بھی بدلا اور اب "سلام نگار" سامعینِ مجلس کو جنھیں "سلام" کی اصطلاح میں "مُجرائی" یا "سلامی" کہتے تھے مخاطب کرنے لگے۔ اس تبدیلیِ تخاطب

کے انداز کے لئے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔ مرزا سودا نے اپنے بعض سلاموں میں براہِ راست تخاطب کا یہ انداز رکھا تھا ؎

ادب سے بھیجے ہے تجھ پر ترا غلام سلام
قبول ہو تری خدمت میں یا امام سلام

حسینؑ تجھ کو یہ عرشِ بریں کرے ہے سلام
وہاں سے آن کے روح الامیں کرے ہے سلام

میں بھیجتا ہوں تجھے فاطمہؑ کے لال سلام
علیؑ کے باغ کے اے سروِ نونہال سلام

کہیں ہیں ساکنِ جنت بزیب و زین سلام
تری جناب میں یا حضرتِ حسینؑ سلام

میر تقی میر کے سلاموں کے بھی بعض مطلعے ملاحظہ فرمائیے ؎

اے شہِ عالی مقام تجھ پہ درود و سلام
بعدِ ہزاراں سلام تجھ پہ درود و سلام

اے بدخشانِ نبیؐ کے لعلِ احمر السلام
وے گلستانِ علیؑ کے لالۂ تر السلام

ساقیٔ کوثر کے پیارے السلام
تشنہ لب سید ہمارے السلام

اے گلِ خوش رنگ گلزارِ شہادت السلام
تیری مظلومی کی سب دیں گے شہادت السلام

اے شہِ اقلیمِ شوکت السلام
رونقِ تختِ خلافت السلام

براہِ راست تخاطب سے ہٹ کر شاعروں نے بعض اوقات اپنے سلاموں میں حاضرینِ مجلس کو بھی اپنا شریکِ کار بنایا ہے چنانچہ اردو شاعری کے باوا آدم، حضرتِ ولی

لکھ گئے ہیں ؎

اُس نورِ مصطفےٰ پر بولو سلام یاراں! — محبوبِ مرتضےٰ پر بولو سلام یاراں!
اُس پاک پارسا پر حیدر کے دلربا پر — اُس لعلِ بے بہا پر بولو سلام یاراں!
یو جی دلی فدا کر اُس شاہِ کربلا پر — اُس لائقِ ثنا پر بولو سلام یاراں!

اِس نوع کے سلاموں کے علاوہ کچھ ایسے سلام بھی قدما کے کلام میں ملتے ہیں جو اپنی شکل و ساخت میں اگر ایک طرف قدیم مرثیہ کا نمونہ ہیں تو دوسری طرف وہ "سلام" کی تشکیلِ جدید سے بھی قریبی مشابہت رکھتے ہیں۔ مثلاً مصطفےٰ خاں یک رنگ کے ایک مرثیہ کے یہ اشعار بعض تذکروں میں ملتے ہیں ؎

زخمی برنگِ گُل ہیں شہیدانِ کربلا — گلزار کی نمط ہے بیابانِ کربلا
کھانے چلا ہے زخمِ ستم ظالموں کے ہاتھ — دھو ہاتھ زندگی ستی مہمانِ کربلا
اندھیر ہے جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ — ہے سر بُریدہ شمعِ شبستانِ کربلا

مجلسِ عزا کی ترتیب و تنظیم میں شجاع الدولہ کے عہد سے فیض آباد میں جو تبدیلیاں رُونما ہو رہی تھیں اُن کے اثر سے اوّل مرزا سودا، میر غلام حسین ضاحک، مہربان خاں مہربان اور خلیفہ محمد علی سکندر پنجابی وغیرہ نے مذہبی شاعری کو مستحکم کیا اور پھر لکھنؤ میں مرزا گدا علی گدا، مرزا پناہ علی افسردہ اور احسان وغیرہ نے اپنی ہمہ وقت توجہ مبذول کر کے عزائیہ اصنافِ ادب یعنی رباعی، سلام اور مرثیہ کو عوام و خواص میں مقبول بنا دیا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب آصف الدولہ کے عہد میں اودھ کا دربارِ شاہی فیض آباد سے لکھنؤ میں منتقل ہو رہا تھا۔ اب بساطِ ادب پر رفتہ رفتہ مرزا جعفر علی حسرت، مصحفی، انشا جرأت، میر حسن اور قائم چاندپوری وغیرہ جلوہ گر ہونے لگے تھے اور مذہبی اداروں کی ازسرِ نو تشکیل کے باعث جابجا امام باڑوں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ محافلِ میلاد، مجالسِ عزا اور ماتمی جلوس کا اہتمام ہونے لگا تھا۔ مذہبی حلقوں میں فلسفیانہ موشگافیوں اور

منطقی بحثوں کا مذاق بڑھ چلا تھا اور ادب و شعر میں بھی مذہبی ذوق اپنی جگہ بنا رہا تھا چنانچہ مجلسِ عزا کی ترتیب میں روضہ خوانی کے ساتھ سوز خوانی اور تحت اللفظ خوانی بھی رواج پا رہی تھی۔ ان عصری تقاضوں نے ہمعصر شعرا یعنی جعفر علی حسرت، میر حسن، مصحفی، میر شیر علی افسوس، میاں قلندر بخش جرأت اور شیخ قائم چاند پوری وغیرہ کو ترغیب دلائی کہ وہ مذہبی امور پر بھی توجہ دیں۔ چنانچہ ان حضرات نے رباعیات، سلام و درود، قصائد اور مراثی لکھ کر مذہبی شاعری کو اپنے عہد کے ادبی معیار سے قریب تر کر دیا۔ ان تمام شعرا کے کلام میں "سلام" کے جدید نمونے موجود ہیں مثلاً مصحفی لکھتے ہیں ؎

سلامی اشک سے یہ چشمِ مومنیں تر ہے — کہ جس سے فرش ہے نمناک اور زمیں تر ہے
یہ پُر ہوئے ہیں شہیدوں کے خون سے تھالے — کہ قتل گاہ کی وہ دود حُبّ زمیں تر ہے
سپرد کی ہے جو قاسم نے وقتِ رخصت کے — وہ اشکِ گریۂ کبرا سے آستیں تر ہے
پسینہ تن سے جو عابدؑ کے پونچھے تھی زینبؑ — وہ اب بھی نم ہے جو رومالِ اولیں تر ہے

لکھوں میں حال شہیدوں کا مصحفی کب تک
کہ دیدۂ قلمِ معجز آفریں تر ہے

مرزا قلندر بخش جرأت اپنا ہدیۂ عقیدت اس طرح پیش کرتے ہیں ؎

سلام اُس پہ کہ جس نے قدم جدھر رکھا — تو آسماں نے بھی اودھر زمیں پہ سر رکھا
سلام اُس پہ کہ جس نے رہِ مصیبت میں — رضائے حق پہ قدم اپنا بے خطر رکھا
سلام اُس پہ کہ جس کا تین دن پیاسا — یزیدیوں نے ہر اک پارۂ جگر رکھا
سلام اُس پہ کہ سکانِ عرش کو جس کے — غم و الم نے سدا با دو چشمِ تر رکھا
سلام اُس پہ کہ جنت میں جس کے ماتم نے — علیؑ و فاطمہ زہراؑ کو نوحہ گر رکھا
سلام اُس پہ جو ہے رنگ و بوئے گلشنِ دیں — گرہ میں نذر کو غنچوں نے جس کی زر رکھا
ہوا جناں میں خراماں جو وہ تو زیرِ قدم — ہر اک فرشتے نے پھیلا کے اپنا پَر رکھا
لگا دُ گلخنِ دل میں تم اس کی آتشِ غم — کہ سرِ تنور میں جس شاہِ دیں کا دھر رکھا

اُسی سے نورِ بصر تو طلب کرے جُرأت
نشان جس نے مٹا اپنا، نام کر رکھا

مدعا یہ کہ مصحفی، انشاؔ، جُراؔت اور اُن کے معاصرین نے "سلام" کی صنف کو بھی ادبی معیار دے کر بحیثیتِ صنف مکمّل کر دیا تھا۔ ان شعراء کے بعد ان کے تلامذہ کا دور شروع ہوا اور میر ضمیرؔ، میر خلیقؔ، مرزا فصیحؔ اور منشی دلگیرؔ مسندِ مدح و منقبت پر آئے جنھوں نے ہزارہا "سلام" تصنیف کر کے اس صنفِ ادب کو اپنی رنگیں بیانیوں سے مالا مال کر دیا۔

میر انیسؔ جن کا مجموعۂ سلام آپ کے پیشِ نظر ہے، اُن کے خاندان نے بھی مرثیہ و سلام کی عہد بعہد ترقی میں اپنا خونِ جگر صرف کیا تھا۔ اِن حضرات کی ادبی کاوش کے اندازے کے لئے ہم کچھ نمونہ اوّل میر غلام حسین ضاحکؔ کے دستیاب کلام سے پیش کرتے ہیں ؎

قلم نے لوح پہ جب مصطفٰےؐ کا نام لکھا — وصیِ شاہ اُسی مرتضٰےؑ کا نام لکھا
اُنھی کے پاس لکھا اسمِ حضرتِ زہراؑ — اُنھی پہ عصمت و عفت کو اختتام لکھا
اُنھی کے پاس حسنؑ کو لکھا بہ خُلقِ حَسَن — شہِ سریرِ زبرجد بہ احترام لکھا
جو چاہا نام مبارک حسینؑ کا لکھئے — قلم سے خون بہا، پھر بہ لعل فام لکھا
پھر اُن کے بعد لکھا نامِ پاکِ زینِ عبادؑ — صبورِ کرب و بلا، اصبر الانام لکھا
امامِ ہر دو طرف باقرِؑ علومِ خدا — سخیِ خواجۂ عالم بِلا کلام لکھا

میر غلام حسین ضاحکؔ کے بعد اُن کے صاحبزادے میر حسنؔ نے بھی مدح و منقبتِ اہلِ بیتؑ سے اپنا توشۂ آخرت تیار کیا۔ اُن کے مدحیہ کلام کا رنگ یہ تھا ؎

مجرا کہو شبیرؑ پہ اِس طرح حزیں ہو — جو اشک کے سیلاب سے تر ساری زمیں ہو
سر اُس کا عَلَم پہ ہو عَلَم آہ کہ جو شخص — حیدرؑ کا نشاں، دوشِ محمدؐ کا مکیں ہو
جز حضرتِ شبیرؑ بھلا کون ہے یارو — جو ساجد و مسجود دمِ بازپسیں ہو

صد حیف ملے پیادہ ندی اُس کے پسر کو | کونین کی اقلیم کا جو تخت نشیں ہو
خشک احمدِ مختار کے کس طرح ہوں آنسو | تر خون میں شبیرؑ کے جب خنجرِ کیں ہو
اے پیرِ فلک ہووے جو اکبرؑ سا جواں آہ | تیرو تبرِ ظلم ہو اور اُس کی جبیں ہو
ہیہات جو ہو قوتِ بازوئے حسینی | شانہ کہیں، سر اُس کا کہیں، پاؤں کہیں ہو

ہے حضرتِ شبیرؑ سے یہ عرض حسنؔ کی
جا مشہدِ عالی پہ یہ پیوندِ زمیں ہو

میر حسنؔ کے بعد اِس خانوادے میں مجلسِ عزا کی منبر نشینی میر مستحسن خلیقؔ کو نصیب ہوئی۔ خلیقؔ نے جس طرح صنفِ مرثیہ کو زبان و بیان کی شیرینی و حلاوت سے دلکش بنا دیا تھا اُسی طرح سلام کی صنف کو بھی اعلیٰ معیار دے کر اُس کا ادبی اعتبار بڑھا دیا۔ اُن کے متعدد مراثی اور سلام ہماری نظر سے گزرے ہیں، یہاں بطورِ نمونہ ایک سلام درج کیا جاتا ہے ؎

شبیرؑ کے روضے کی جُدائی نہیں جاتی | اے مُجرئی طالع کی بُرائی نہیں جاتی
بیٹے مجھے کچھ یاد نہیں کہتی تھی زینبؑ | اکبرؑ کی مگر شکل بھلائی نہیں جاتی
کہتے تھے علیؑ ہو مجھے گو فاقے پہ فاقہ | سائل سے مگر آنکھ چُرائی نہیں جاتی
کہتے تھے حرم ہاتھ سے سجادِؑ حزیں کے | گرتی ہے تو زنجیر اُٹھائی نہیں جاتی
کہتے تھے لعیں گرچہ رسن بستہ ہے عابدؑ | خلقت کی و لے عقدہ کشائی نہیں جاتی
اور باپ کے سر نے کیا کافر کو مسلماں | مرنے پہ بھی اعجاز نمائی نہیں جاتی
رانڈوں کے بندھے ہاتھ رسن میں تو پکاریں | بالوں سے بھی اب شکل چھپائی نہیں جاتی
رکھ قبر میں سجادؑ نے اکبرؑ کو کہا آہ | یہ خاک میں صورت تو ملائی نہیں جاتی
اس ظلم پہ شہؑ نے نہ کیا شکوۂ اعدا | نیکوں کے کبھی دل سے بُرائی نہیں جاتی

ہے طبعِ خلیقؔ اِن دنوں ہرچند مکدر
پر برِشِ مضموں کی صفائی نہیں جاتی

مختصر یہ کہ میر انیسؔ کو یہ صنفِ سخن ایسی صورت میں ملی تھی کہ اس میں میر ضمیرؔ، مرزا فصیحؔ، میر خلیقؔ اور دلگیرؔ جیسے چوٹی کے شعرا ہزارہا سلام تصنیف کر چکے تھے اور اب فکر کے انفرادی تنوع، شوخیٔ گفتار اور مرصع کاری کے علاوہ کوئی اور گوشہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اُس وقت تک مجلسِ عزا کا یہ دستور بھی مستحکم ہو چکا تھا کہ مرثیہ نگار منبر پر پہنچ کر اوّل چند رباعیات پڑھتا، پھر "سلام" کے اشعار سے سامعین کے ذوق کو ایک نئے پہلو سے آمادۂ سماعت کرتا اور جب سب ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے تو آخر میں اپنی بھرپور کاوشِ ادب کا ثمرہ مرثیہ کی صورت میں پیش کرتا تھا۔ اس لحاظ سے ہم سلام کو مرثیہ کا پیش لفظ تو کہہ سکتے ہیں لیکن یہ اُس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال "سلام" میں حسبِ خواہش شاعر حمد، نعت اور منقبت وغیرہ کے مضامین بھی نظم ہو سکتے تھے اور تزکیۂ نفس یعنی بے ثباتیٔ دُنیا، فقر و فاقہ، حلم و حیا، وفاداری و ایثار، عزم و یقین، حق و صداقت اور عدل و انصاف وغیرہ کا درس بھی دیا جا سکتا تھا لیکن شاعر کی زیادہ توجہ اہلِ بیتؑ کے واقعات جاں سپاری وغیرہ ہی کی طرف ہوتی تھی۔ میر انیسؔ نے بھی جو مرثیہ نگاری کی دنیا میں خدائے سخن کہلائے، سلام نگاری میں اسی دستور کو برتا۔ یعنی سلام کی حدود میں بھی اُن کی حکیمانہ بصیرت، اُن کا شعورِ عرفان و آگہی، اُن کا فکری جلال و جمال، اُن کی شگفتہ تحسیں سادہ اُن کا پُر وقار اندازِ بیان اپنا جلوہ دکھا گیا ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ اُنھوں نے مجلسِ عزا کے مروجہ طریقے کی پابندی میں ہر نئے مرثیہ کی مجلس کے لئے ایک تازہ سلام بھی ضرور تصنیف کیا ہوگا اس لئے اُن کے مراثی اور سلام کی تعداد کم و بیش برابر ہونی چاہئے۔ اب تک اُن کے تقریباً سوا سو[۲۵] مراثی منظرِ عام پر آ چکے ہیں اور ان کے مقابلے میں مشکل سے چالیس سلام طبع ہوئے ہیں۔ اس فرق کو کم کرنے کے خیال سے فی الحال اسّی سلاموں کا یہ مجموعہ "تجلیاتِ انیسؔ" کے نام سے پیشِ خدمت ہے۔ وقتاً فوقتاً جو کلام ہمیں مزید حاصل ہوتا رہے گا وہ ترمیم شدہ طباعتوں میں شامل کیا جاتا رہے گا۔ "تجلیاتِ انیسؔ" کی ادبی حیثیت پر ہم یہاں کسی تبصرے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اس موضوع پر کبھی فرصت ملی تو اظہارِ خیال کریں گے فی الحال دو بزرگانِ ادب کی رائے کے اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں

پہلے سید امداد امام اثرؔ نے اپنی تالیف "کاشف الحقائق" جلد دوم میں میر انیسؔ کے سلاموں کے متعلق یہ لکھا تھا :-

" خوبیٔ زبان، چستیٔ بندش، بلند پروازیٔ مضامین، رنگینیٔ طبیعت محتاجِ بیان نہیں۔ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میر انیسؔ صاحب مرحوم جس عمدگی کے ساتھ مرثیہ نگاری فرماتے تھے، اُسی طرح سلام کے لکھنے پر ایک حیرت انگیز قدرت رکھتے تھے "۔ (صفحہ ۱۹۳)

اور شاد عظیم آبادی "پیمبرانِ سخن" میں رقم طراز ہیں :-

" میر انیسؔ نے اس صنفِ سخن میں بھی ایسی جدّت سے کام لیا کہ بقول اُنھیں کے " پھیکے کھانے میں نمک ملا دیا"۔ چنانچہ کہتے ہیں ؎

اللہ کیا نمک ہے کلامِ انیسؔ میں
دشمن بھی گر پڑھے تو زباں پر مزا رہے

سلام میں مبکی یا مدحیہ اشعار یا کوئی اور نادر مضمون نظم کیا جاتا تھا مگر انیسؔ نے اکثر محض عرفانی یا مدح میں ایک طرح کا تغزّل ایسا پیدا کر دیا کہ اوروں کے یہاں یہ بات نہیں۔ (صفحہ ۲۴۰)

ڈاکٹر سید صفدر حسین
لاہور
۱۶ر نومبر ۱۹۷۵ء

سلام

بیکسی کا شہ کی پلڑچھا رہ گیا
مجرئی مہمان پیاسا رہ گیا

جب گسستہ ہو گیا تارِ نفس
کون سا الفت کا رشتا رہ گیا

قبر میں رکھ کر نہ ٹھہرا کوئی دوست
میں نئے گھر میں اکیلا رہ گیا

کاتبِ اعمال بھی رخصت ہوئے
ہائے میں تربت میں تنہا رہ گیا

قبر میں ہوگا حسابِ زندگی
بعد مرنے کے بھی جھگڑا رہ گیا

شست و شو سے گو ہوا اجلا رذیل
جامۂ اصلی میں دھبا رہ گیا

تیری سختی پر فلک پتھر پڑیں
چور ہو کر دل کا شیشا رہ گیا

دیر آئے پر یہ جلد آئے رسول
دور لاکھوں کوس سایا رہ گیا

اللہ اللہ قربِ معراجِ رسول
دو کماں سے فرق ادنا رہ گیا

اٹھ گئے مابین سے سارے حجاب
بس فقط آنکھوں کا پردا رہ گیا

جب ہوئی بے پردہ اولادِ رسول
پھر جہاں میں کس کا پردا رہ گیا

فیضِ تھا بے پردگیٔ آل میں ہم گنہگاروں کا پردا رہ گیا
کور ہوتیں اس کا جلوہ دیکھ کر شکر ہے آنکھوں کا پردا رہ گیا
ظہر تک سب فوج پہونچی خلد میں صاحبِ لشکر اکیلا رہ گیا
سب ہوئے سیراب تجھسے ہائے فرات قافلہ یثرب کا پیاسا رہ گیا
زخم کھاتے ہی جو اکبر گر پڑے چھد کے برچھی میں کلیجا رہ گیا
تیر گردن پر جو کھایا دھوپ میں بھر کے ٹھنڈی سانس بچا رہ گیا
کہتی تھی ماں سوئے اصغر قبر میں ق ہائے خالی اُن کا جھولا رہ گیا
کس کو اب پہنائے مادر دل جلی چل بسے وہ یہ شلوکا رہ گیا
ڈگمگا کر جب گرے گھوڑے سے شاہ کانپ کر عرشِ معلّا رہ گیا
اس قدر تھا خشک حضرت کا گلا خنجرِ قاتل بھی پیاسا رہ گیا
سوؤ گے کب تک بس اب اُٹھو انیسؔ دن بہت غفلت میں تھوڑا رہ گیا

(۲)

غمِ شہ کا جس نے بیاں کر دیا اِن آنکھوں نے دریا رواں کر دیا
گھٹا فکر میں جسم مثلِ قلم سراپا کو صرفِ زباں کر دیا
گھٹا زور مشقِ سخن بڑھ گئی ضعیفی نے ہم کو جواں کر دیا
سُبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر مگر ہم نے پلہ گراں کر دیا
مری قدر کر اے زمینِ سخن تجھے بات میں آسماں کر دیا
نہ کی آہ کچھ عمرِ رفتہ کی قدر عجب جنس کو رائگاں کر دیا

پھڑکتا ہے کیوں اتنا اے مرغِ روح ق مقدر نے ویراں مکاں کر دیا
نشیمن بھی دے گا وہ فردوس میں ترا جس نے ویراں مکاں کر دیا
فلک سے ہوا کب مرا کام سہل مگر ہاں جنازہ رواں کر دیا
لکھی شہ کے خالِ معنبر کی مدح قلم نے ہمیں نکتہ داں کر دیا
جو پوچھی علمدار نے جائے قبر ترائی میں شہ نے نشاں کر دیا
زہے شفقتِ سبطِ خیرُالوریٰ ق عجب رُتبۂ میہماں کر دیا
کوئی جانتا بھی نہ تھا حُر کا حال اسے دم میں جانِ جہاں کر دیا
کہاں ایک ذرّہ کہاں آفتاب خدا نے کسے مہرباں کر دیا
نہ دیکھی گئی شہ سے اصغر کی لاش زمیں میں پسر کو نہاں کر دیا
ہوئے دفن اکبر تو چلّائی ماں ق اَجل نے زمیں میں نہاں کر دیا
چھپانے لگے ہم سے منھ قبر میں انھیں جب خدا نے جواں کر دیا
نواسنجیوں نے تری اے انیسؔ ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

(۳)

گذر گئے تھے کئی دن کہ گھر میں آب نہ تھا مگر حسین سے صابر کو اضطراب نہ تھا
نمودو بودِ بشر کیا محیطِ عالم میں ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا حباب نہ تھا
فشار سے جو بچا میں ہوا زمیں کو عجب صدا یہ قبر نے دی حکمِ بوتراب نہ تھا
اگر بہشت میں ہوتے نہ کوثر و تسنیم تو رونے والوں کی آنکھوں کا پھر جواب نہ تھا
نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا

ہر اک کے ساتھ ہے روشن دلو طلوع و غروب — سحر کو چاند نہ تھا شب کو آفتاب نہ تھا
جسے نبی نے بلایا ہوا وہ نخل نہال — ثمر اسے بھی دیئے جو کہ باریاب نہ تھا
علیؑ کے پائے مبارک نے جو ضیا پائی — وہ نور حضرتِ موسیٰ کو دستیاب نہ تھا
حضورِ شاہ پھر آیا کہاں سے حرؔ شہید — خطا کی راہ میں گر جادۂ صواب نہ تھا
حسینؑ اور طلبِ آب اے معاذ اللہ — تمام کرتے تھے حجت سوالِ آب نہ تھا
فقط حسینؑ کے بچوں پہ بند تھا پانی — بہت قریب تھی وہ نہر قحطِ آب نہ تھا
وہ لوگ جمع تھے قتلِ حسینؑ پر کہ جنھیں — خدا سے خوف محمدؐ سے کچھ حجاب نہ تھا
اُدھر تھی ذات خدا اور اِدھر رسولِ کریم — سوائے پردۂ چشم اور کچھ حجاب نہ تھا
برہنہ اونٹوں پہ سیدانیاں تھیں بلوے میں — وہ دیکھتے تھے تماشا جنھیں حجاب نہ تھا
غضب کی جا ہے کہ دربار میں ستمگر کے — کھڑی تھیں بنتِ علی اور کچھ حجاب نہ تھا
یزید تخت پہ تھا اور تلے حسینؑ کا سر — اُلٹ گیا تھا زمانہ یہ انقلاب نہ تھا
انیسؔ عمر بسر کر دو خاکساری میں — کہیں نہ یہ کہ غلامِ ابوتراب نہ تھا

(۴)

صبر کرتے تھے سلامی شہِ والا کیا کیا — اہلِ کیں دیتے تھے مظلوم کو ایذا کیا کیا
شاہ فرماتے تھے پانی نہیں ملتا لیکن — سامنے آنکھوں کے لہراتا ہے دریا کیا کیا
دیکھ کر فوجِ حسینی کو عدو کہتے تھے — ساتھ لائے ہیں جواں سیدِ والا کیا کیا
لاشِ عباس پہ آنے جو نہ دیتے تھے عدو — تشنہ لب شاہ لڑے ہیں لبِ دریا کیا کیا
دیکھ کر شہ کے عزیزوں کو عدو کہتے تھے — صاحبِ حسن خدا نے کئے پیدا کیا کیا

دیکھتا جو سرِ قاسم کو وہ کہتا رو رو ‏ ‏ حسرتیں لے گیا دُنیا سے یہ دُولہا کیا کیا

بانو کہتی تھی کہ سہرا بھی نہ دیکھا افسوس ‏ ‏ تھی مجھے بیاہ کی اکبر کے تمنا کیا کیا

تیر کھاتے ہی گلے میں جو دَم اصغر کا رُکا ‏ ‏ شاہ کے ہاتھوں پہ تڑپا ہے وہ بچا کیا کیا

بانو کہتی تھی تصوّر میں علی اصغر کے ‏ ق ‏ دُودھ بن تڑپا ہے ہے مرا بچا کیا کیا

پانی دو دن نہ ملا تیر گلے پر کھایا ‏ ‏ اتنی سی زندگی میں سہہ گیا ایذا کیا کیا

سینۂ شہ سے نہ بے ذبح کئے اترا شمر ‏ ‏ گرد بیٹے کے تڑپتی رہی زہرا کیا کیا

لاش اص[illegible] پہ کہا بانو نے اماں صدقے ‏ ‏ ننھی سی جان پہ گزری کہو بیٹا کیا کیا

شاہ کہتے تھے سکینہ مرے مرنیکے بعد ‏ ‏ کیا کہوں تم پہ ستم ہوئیں گے بیٹا کیا کیا

سرِ شبیّر سے کہتے تھے یہ رو رو سجّاد ‏ ق ‏ رنج دیتے ہیں مجھے راہ میں اعدا کیا کیا

طوق و زنجیر سنبھالوں کہ مہار اونٹونکی ‏ ‏ کام اتنے ہیں کروں میں تن تنہا کیا کیا

دُھوپ میں لاش جلی ہاتھ کٹے پہنچوں سے ‏ ‏ بعدِ مردن بھی ملی شاہ کو ایذا کیا کیا

دیکھا مرنے پہ کمر باندھتے جب بابا کو ‏ ‏ سر اُٹھا تکیے پہ سجّاد نے پٹکا کیا کیا

منع جو رونے کو کرتا تو یہ کہتے سجّاد ‏ ‏ کیوں نہ روؤں ستم ان آنکھوں نے دیکھا کیا کیا

دیکھ کر ہاتھ کٹے باپ کے عابدؑ نے کہا ‏ ‏ بعد مرنیکے بھی صدمہ تمہیں پہونچا کیا کیا

کہتے عابد خبرِ قتلِ عزیزاں سُن کر ‏ ‏ اپنی بیماری کا ہوتا ہے مداوا کیا کیا

دفن کا لاشۂ شبیّر کے جب وقت آیا ‏ ‏ دفعتاً ہو گئے اسباب مہیا کیا کیا

قید خانے میں سکینہ کو جو یاد آئے پدر ‏ ‏ رات بھر سینے میں دل ننھا سا تڑپا کیا کیا

بانو کہتی تھی اب اکبر مجھے سمجھائے نہیں ‏ ‏ یاد مادر تری باتیں کرے بیٹا کیا کیا

رو رو کہتی تھی یہ صغرا کہ کہے جا قاصد تو نے کیا کیا کہا اور بابا نے پوچھا کیا کیا
سر جھکا لیتی تھی صغرا کوئی کہتا تھا اگر کھو کو فے سے پدر نے تمہیں بھیجا کیا کیا
باغ میں دیکھتے جب سروِ تو عابد کہتے کٹ گئے تیغِ ستم سے قدِ رعنا کیا کیا
خط لئے لاشۂ اکبر پہ یہ کہتے تھے امام دیکھو بیٹا تمہیں صغرا نے ہے لکھا کیا کیا
شاہ دیں کے حرم آتے تھے وطن میں جس دم ق ہاتھوں سے پیٹ کے سر روتی تھی صغرا کیا کیا
اور ایک ایک سے کہتی تھی بتاؤ لوگو کہہ گئے ہیں مجھے مرتے ہوئے بابا کیا کیا
ساتھ جاتا نہیں کچھ جز عملِ نیک انیسؔ اس پہ انسان کو ہے خواہشِ دُنیا کیا کیا

(۵)

اک نہ اک نیرنگ ہوتا ہی رہا پرسلامی شہ کو روتا ہی رہا
جس نے چاہا خاک سے موتی اُگیں وہ یہ تخمِ اشک بوتا ہی رہا
سو رہے مرقد میں جا جا کر مکیں یاں محل تعمیر ہوتا ہی رہا
جو ہوا تر دامنی سے منفعل اشک سے دامن بھگوتا ہی رہا
جس نے دیکھی سجۂ پاکِ حسینؑ اشک پلکوں میں پروتا ہی رہا
لختِ دل باقی ہیں اے اہلِ عزا تو فقط موتی پروتا ہی رہا
کس میں ہے گنجائشِ فیضِ حسینؑ آسماں کو عذر رکوتا ہی رہا
اے فلک افسوس خشکی میں بھی تو فاطمہؑ کا گھر ڈبوتا ہی رہا
غل ہوا لو کٹ گیا دُولہا کا سر بیاہ کا سامان ہوتا ہی رہا
دل میں بانو کے سدا اکبر کا غم نوک برچھی کی چبھوتا ہی رہا

نہر میں عباسؑ داخل ہو گئے
شورہ اعدا میں ہوتا ہی رہا

چاروں ارزق کے پسر دو دو کئے
رن میں ورِ حیدر کا پوتا ہی رہا

کہتی تھیں اُمّ البنیں دیکھوں کسے
پاس بیٹا اور نہ پوتا ہی رہا

سر دو گرمِ حشر یہ بھولا یزیدؔ
حق و باطل کو سموتا ہی رہا

قید میں بازار میں دربار میں
حرمتِ سادات کھوتا ہی رہا

تپ سے ایسے گرم تھے عابدؑ کے پاؤں
آبلہ ہر گام دھوتا ہی رہا

حشر میں سجّاد دیں گے یہ حساب
باپ کے ماتم میں روتا ہی رہا

قافلہ منزل پہ جا پہونچا انیسؔ
بے خبر اب تک تو سوتا ہی رہا

(۶)

پڑا جو عکس تو ذرّہ بھی آفتاب بنا
خدا کے نور سے جسمِ ابوتراب بنا

بنائے روضۂ سرور جو کربلا میں ہوئی
ملک پکارے کہ اب خلد کا جواب بنا

جو آبرو کا ہے طالب تو کر عرق ریزی
یہ کشمکش ہوئی تب پھول سے گلاب بنا

مرے گناہوں کے دفتر کی برہمی کیلئے
نئے سیاق سے بگڑا ہوا حساب بنا

عمارتیں تو بنائیں خراب ہونے کو
اب اپنی قبر بھی او خانماں خراب بنا

ہوا یہ کیوں ہیں تنک مایگانِ بحرِ فنا
جو بڑھ گیا کوئی قطرہ تو وہ حباب بنا

فلک پہ نالۂ سوزاں نے آگ بھڑکائی
دھواں جو آہ کا نکلا مری سحاب بنا

یہ مشتعل ہوئی سینے میں آتشِ غمِ شاہ
کہ آہ سیخ بنی اور جگر کباب بنا

یہ غل تھا دیکھ کے دُولہا دولہن کو خیمے میں
جو بے عدیل بنی ہے تو لاجواب بنا

ترے سلام میں ہے مرثیے کا سارا لطف　　انیسؔ نظمِ غمِ شہ ہیں اک کتاب بنا

(۷)

اے مجرئی ہے سب کا مقدر جُدا جُدا　　رُتبے میں ہیں گدا و تونگر جُدا جُدا

کیا کیا لڑے ہیں رن میں بہتر جدا جدا　　مجرائی شہ پہ ہمدتے کئے سر جدا جدا

رن میں ہر اک نے ابنِ شہِ ذوالفقار کو　　دکھلائے اپنی تیغ کے جوہر جدا جدا

سب منزلِ جہاں میں مسافر عدم کے ہیں　　سب کا وطن ہے ایک مگر گھر جدا جدا

بہرِ تصدقِ گلِ زہرا چمن میں ہیں　　سب غنچے مٹھیوں میں لئے زر جدا جدا

حوریں علی سے کہتی ہیں شیعوں کے واسطے　　رکھے ہیں بھر کے پانی کے ساغر جدا جدا

کہتے ہیں جمع کر کے ملک اشکِ مومنیں　　شیشوں میں رکھتے جاؤ یہ گوہر جدا جدا

فوجِ لعیں کی تھی یہ چڑھائی حسینؑ پر　　آکر اُترتے جاتے تھے لشکر جدا جدا

آتے جراحتِ تنِ سرور شمار میں　　ہوتے جو زخمِ نیزہ و خنجر جدا جدا

حضرت کی بیگناہی پہ دیں گے گواہیاں　　تیغ و سنان و نیزہ و خنجر جدا جدا

تھے وقتِ دفن والیِ زخمِ تنِ حسینؑ　　آتی تھی صوتِ اللہ و اکبر جدا جدا

مقتل سے شہر شہر گئے طائرانِ دشت　　سبطِ نبی کے خوں میں بھرے پر جدا جدا

اس طرح سر شہیدوں کے تھے بر سرِ سناں　　جس طرح ہوئیں ماہ سے اختر جدا جدا

ہوتے جو ان کے سامنے ستر دو تن شہید　　ماتم سبھوں کا کرتے پیمبر جدا جدا

صغرا نے نامہ بر سے کہا خط نہ لکھنے کا　ق　شکوہ تو کر چکی ہوں میں بے پر جدا جدا

بہرِ خدا زبانی بھی میری طرف سے تو　　کیجو گلہ ہر ایک سے جا کر جدا جدا

زینبؑ یہ بولیں بیٹوں سے باہم چلیے تو ہو تی لڑیو سپاہِ شام سے جا کر جدا جدا
جرأت میں ایک سے ہو یہ جی چاہتا ہے آج دکھلاؤ شانِ حیدرِ صفدر جدا جدا
کہتی تھی بانو چھاتی سے لگ جاؤ آن کر پھرتے ہو ماں سے کیوں علی اکبر جدا جدا
یہ حکم شمر کا تھا کہ ہر بی بی اونٹ پر بازارِ شام میں ہو کھلے سر جدا جدا
رسی سے یوں بندھے تھے اسیرانِ اہلبیت ہوں جیسے ایک رشتے میں گوہر جدا جدا
ہنگامِ ذبح ہر رگِ گردن نے شاہ کی شکر خدا کیا تہِ خنجر جدا جدا
فیضِ غمِ حسین سے ہوتے ہیں اے انیسؔ ہر سال ایک حال کے دفتر جدا جدا

(۸)

حسینؑ یوں ہوئے اے مجرئی وطن سے جدا کہ جیسے بلبلِ ناشاد ہو چمن سے جدا
جناں میں پائینگے گھر اہلبیت کے مدّاح صلہ خدا سے جدا لیں گے پنجتن سے جدا
رسُولِ حق کو نواسے سے یہ محبّت تھی کہ منھ نہ کرتے تھے شبیر کے دہن سے جدا
شہیدِ ظلم ہیں دونوں نبی کے لختِ جگر غمِ حسین نہیں ہے غمِ حسنؑ سے جدا
جہاں سے اُٹھ گئے حسرت بھرے بنے قاسم جہان میں کوئی دُولھا نہ ہو دولہن سے بدا
وطن میں پھر کے سفر سے نہ جیتے جی آئے عجب گھڑی تھی کہ اکبر ہوئے وطن سے جدا
زمیں پہ گر کے پکارے شہِ زمن ہیہات نظر جو آ گئے بھائی کے ہاتھ تن سے جدا
نکالا گردنِ اصغر سے تیر جب شہ نے گلے سے بہنے لگا خوں جدا دہن سے جدا
گھرے رہے شہِ والا ستم کے نیزوں میں نہ آفتاب ہوا دوپہر گہن سے جدا
سحر سے ظہر تلک کربلا میں جنگ ہوئی سرِ حسینؑ ہوا وقتِ عصر تن سے جُدا

حرم میں شور ہوا شمر نے کہا جس دم
کہ باندھو بازوئے زینبؑ کو اک رسن سے جدا

پھنسے ہوئے تھے بلاؤں میں سیدِ سجاد
پھلی تھی طوق سے گردن جدا رسن سے جدا

گلے میں دیکھ کے طوقِ حدید کہتے تھے لوگ
یہ آفتاب کہیں بلد ہو گہن سے جدا

کڑی ہے قبر کی منزل مسافرو ہشیار
کھلے گا حال یہ جب ہو گی روح تن سے جدا

فشارِ قبر کا ہے خوف گر تجھے تو انیسؔ
رہے نہ صرۂ خاکِ شفا کفن سے جدا

(۹)

بھرا ہے غم شہ سے سینہ ہمارا
سلامی یہی ہے خزینہ ہمارا

دلِ صاف رکھتے ہیں ہم پاک طینت
نہیں جرم رکھتا نگینہ ہمارا

ہوئی سخت ایذا زمانے کے ہاتھوں
گرا سنگ پر آبگینہ ہمارا

بجز پنجتن کچھ نہیں نقش دل پر
ان اسموں کا گھر ہے نگینہ ہمارا

پکارے نبی قبرِ سرور پہ آکے
اسی خاک میں ہے دفینہ ہمارا

لپٹتی جو بیٹی تو کہتے تھے حضرت
بس اب ہاتھ چھوڑو سکینہ ہمارا

نہ چھاتی سے لپٹو کہ اب شمر رن میں
دبائے گا زانو سے سینہ ہمارا

چلے شہ وطن سے تو کہتے تھے عابدؑ
اب اس سال مشکل ہے جینا ہمارا

یکا یک صدا قبرِ احمدؐ سے آئی
ہوا آج خالی مدینہ ہمارا

ازل سے ہے نامِ علیؑ نقش دل پر
وہ درِ نجف ہے نگینہ ہمارا

عمر سے کہا حرؑ نے ناجی ہمیں ہیں
پسندِ خدا ہے خزینہ ہمارا

تجھے حبِ دنیا مجھے حبِ حیدرؑ
وہ کشتی تری یہ سفینہ ہمارا

کہا شہ نے بھائی نہ چھوڑے گا مجھ کو وہ دولت سمجھتا ہے جینا ہمارا
کہا وقتِ مرگِ پسر رو کے شہ نے ترے بعد ہے موت جینا ہمارا
حرم کہتے تھے تھا یہ اُمت میں طوفاں کہ خشکی میں ڈوبا سفینہ ہمارا
کہا شہ نے قاتل سے زانو نہ رکھ تو ق کہ زخموں سے ہے چور سینہ ہمارا
عبث بے گنہ قتل کرتا ہے ظالم زمانے کی زینت ہے جینا ہمارا
علیؑ ہیں درِ شہرِ علمِ نبوّت شقی دین کا گھر ہے سینہ ہمارا

(۱۰)

لحد میں سامنے جب دفترِ حساب آیا گناہ دیکھ کے کیا کیا مجھے حجاب آیا
زمیں کا زور چلا خاک بھی نہ وقتِ فشار مری زباں پہ جو نامِ ابو تراب آیا
نہ سر اُٹھائیو بحرِ جہاں میں اے غافل صدا یہ دے گیا پانی پہ جو حباب آیا
اُتارا مجھ کو لحد میں تو دی زمیں نے صدا زہے نصیب غلامِ ابو تراب آیا
جہاں سے ہم اسی حسرت میں پیر ہو کے چلے نہ عمرِ رفتہ پھر آئی نہ پھر شباب آیا
جگہ نہ پائی جو کثرت میں سانس لینے کی میانِ بحرِ فنا خود بخود حباب آیا
بہانہ ڈھونڈتی ہے رحمت اے گنہگار رو خدا نے رحم کیا جب مجھے حجاب آیا
زمیں یہ کہتی ہے میّت سے دیکھ قبر کو دیکھ کہاں بنا کے گھر او خانماں خراب آیا
پیامِ مرگ ہیں موئے سفید اے غافل کبھی سُنا ہے کہ پیری گئی شباب آیا
نہیبِ شرع تو دیکھو کہ بن گیا سرکہ نجف کی راہ میں جب شیشۂ شراب آیا
حسینؑ و حُر کی ملاقات تھی کہ عالمِ نور ق اُدھر سے ماہ بڑھا تھا کہ آفتاب آیا

صدا یہ آئی کہ گردن اُٹھا کے دیکھ ذرا — معانقے کے لئے مالکِ الرّقاب آیا
فلک پہ شور تھا پہونچے جو کربلا میں حسینؑ — اب اپنی خاک پہ فرزندِ بوتراب آیا
رُخِ حسین سے میں نے کبھی نہ دی تشبیہ — چمک کے سامنے سو بار آفتاب آیا
ورق ہیں مصحفِ ناطق کے اکبر و اصغر — یہ بے عدیل ہے سورہ وہ لاجواب آیا
غمِ حسین میں جب آہ کی تو برسے اشک — ادھر چمک گئی بجلی اُدھر سحاب آیا
عطش نے گو دلِ سوزاں میں آگ بھڑکا دی — مگر زباں پہ نہ حرفِ سوالِ آب آیا
سرِ حسینؑ گیا شام میں جو وقتِ سحر — ہُوا یہ شور کہ نیزے پہ آفتاب آیا
ورق اُلٹ گیا دُنیا کا یک بیک کیوں چرخ — یہ کس طرح کا زمانے میں انقلاب آیا
اُلٹ کے سب مرے مضموں پڑھے مرے آگے — مزا تو یہ ہے کہ اس پر مجھے حجاب آیا
اُلٹ گیا نہ فقط لکھنؤ کا اک طبقہ — انیسؔ ملکِ سخن میں بھی انقلاب آیا
کوئی بھی ہوتا ہے پیری میں اس طرح غافل — اُٹھو انیسؔ اُٹھو سر پہ آفتاب آیا

(۱۱)

گھر سے جب زوّار دو منزل گیا — مجرئی جنت کا رستہ مل گیا
رُوئے آسائش نہ دیکھا عمر بھر — جو گیا دُنیا سے وہ بے دل گیا
تھے علی اکبرؑ عجب رشکِ چمن — کربلا کو لطفِ جنّت مل گیا
بات جب کی پھول مُنہ سے جھڑ پڑے — مُسکرائے جب تو غنچہ کِھل گیا
قہرِ حق تھا غیظِ عباسؑ علی — شیر کے نعروں سے جنگل ہل گیا
سینۂ اکبرؑ پہ واں برچھی لگی — ماں کا خیمے میں کلیجہ ہل گیا

کیا شہادت کی خوشی تھی شاہ کو زخم جو کھایا بدن پر کھل گیا
کہتے تھے شہ بل گئے ہم خاک میں اے فلک بتلا تجھے کیا بل گیا
شہسوارِ دوشِ احمد کا پسر ق قید میں پیدل کئی منزل گیا
بیڑیوں سے پنڈلیاں زخمی ہوئیں طوق سے نازک گلا چھل چھل گیا
شکر اللہ تخت پر بیٹھے علی جلوہ فرما حق ہوا دل کھل گیا
پنجتن کا واسطہ دے کر انیسؔ جو خدا سے ہم نے مانگا مل گیا

(۱۲)

کسی کو مجرئی ہمدم نہ ہنگامِ اجل پایا علی جب آئے تب مشکل کو جاں کندن کی حل پایا
کہا شبیرؑ نے اکبر گلِ باغ جوانی تھا اسے نیزہ لگا کر کچھ لعینوں نے نہ پھل پایا
لگا یا تیر جس کجباز نے وقتِ دغا شہ پر ق جواب راست اس نے تیغِ شہ سے برمحل پایا
لعیں کہتے تھے رو کیں وار کیونکر تیغِ حیدر کا کبھی سر پر کبھی بر میں کبھی زیرِ بغل پایا
ہوا گھر چھوڑ کر قرباں جو حُر فرزند زہرا پر قریبِ قصرِ حیدر باغ جنت میں محل پایا
عمر سے کہتا تھا حُر سایۂ طوبیٰ ملا مجھ کو ہوا خواہی میں سروِ باغِ زہراؑ کی یہ پھل پایا
سرِ حُر اپنے زانو پر رکھا شاہِ دو عالم نے جری نے رتبۂ معراج ہنگامِ اجل پایا
گیا نارِ سقر کو چھوڑ کر جنت کے گلشن میں مقدر کی طرف سے حُر نے یہ حسنِ عمل پایا
تڑپ کر ذوالفقارِ حیدری خود میاں سے نکلی علی کے لال کی ابرو پہ جب غصّے سے بل پایا
کیا جب شاہ نے حملہ اجل نے آکے میداں میں طپاں بسمل کو بسمل پر دمِ جنگ و جدل پایا
برابر چار ٹکڑے کر کے چھوڑا اس کو میداں میں جسے تیغِ دو پیکر نے دمِ جنگ و جدل پایا

رفیقوں کی طرف دیکھا جو ہنگام وغا شہ نے
ہر اک جانباز کو آمادۂ جنگ و جدل پایا

کہا اکبر نے وقتِ نزع یہ رو رو کے حضرت سے ق
چلے ہم اب نفس کی آمد و شد میں خلل پایا

یہ حسرت تھی کہ دم نکلے ہمارا ماں کی گودی میں
اجل کے ہاتھ سے وقفہ نہ لیکن ایک پل پایا

غضب تڑپے شہِ دیں رکھ کے سر اکبر کے لاشے پر
جگر میں اس کے جب ٹوٹا ہوا برچھی کا پھل پایا

اُٹھایا داغ فرزندِ جواں کا عین پیری میں
شہِ دیں نے گلستانِ ریاضت کا یہ پھل پایا

چڑھا جو منہ پہ سر اس کا اُتارا تیغِ حیدر نے
مٹا آئی اسے جس کے ذرا ابرو پہ بل پایا

وطن میں کہتی تھی صغرا مصیبت کچھ ہے بابا پر
بہت میں نے دلِ غمگیں کو مضطر آجکل پایا

فرس سے ہو کے زخمی خاک پر گرنے لگے جس دم
شہِ والا نے دستِ فاطمہ زیرِ بغل پایا

سہے صدمے پہ صدمے دُکھ پہ دُکھ اعدا کے ہاتھوں سے
نبیؐ کے بعد زہرا نے نہ آرام ایک پل پایا

پس از قتلِ شہِ دیں گھر جلا قیدی ہوئیں رانڈیں
نہ ماتم کی صفیں بچھیں نہ ماتم کا محل پایا

انیسؔ آخر نہ دولت کام آئی اہلِ دولت کی
بجز نقدِ تہی دستی نہ کچھ وقتِ اجل پایا

(۱۳)

آبِ خنجر سے گلا جب شاہ کا تر ہو گیا
پانی پانی اے سلامی غم سے کوثر ہو گیا

نہر پر جب قتل عباسِ دلاور ہو گیا
رو کے شہ چلائے اب میں بے برادر ہو گیا

دیکھ کر خیمے کی جانب رو دیا عباس نے
مشک میں پیوست جب تیرِ ستمگر ہو گیا

زعفرِ جن نے کہا اے بادشاہِ کم سپاہ ق
کیا شہیدِ ظلم سب آقا کا لشکر ہو گیا

رو کے فرمایا شہِ دیں نے کہ لشکر اک طرف
تیر اصغر کے لگا اور قتل اکبر ہو گیا

حیف ہے یارو نہ دی اک بوند پانی کی اسے
جس کی خاطر کے لئے دو ٹکڑے گوہر ہو گیا

تیر اصغر کو لگا کر بولا شہ سے حرملہ ق دور اب تو دل سے سرورِ داغِ اکبر ہو گیا
شہ نے فرمایا رضائے حق پہ راضی ہے حسین زخم کا اکبر کے مرہم داغِ اصغر ہو گیا
کہتی تھی بانو مری قسمت کی گردش دیکھنا گھٹنیوں چلنے نہ پایا قتل اصغر ہو گیا
حلق پر رکھ کے خنجر پھیر کر کہتا تھا شمر کہو حسین ابن علی اب تو کٹا سر ہو گیا
ہو کے غش جب حضرت شبیر گھوڑے سے گرے مستعد تب قتل پر لشکر ستمگر ہو گیا
روزِ عاشورہ ہلی قبرِ نبیؐ جب وقتِ عصر مچا یثرب میں برپا شورِ محشر ہو گیا
آئی صغرا قبر پر اور عرض کی اے نانا جاں کیا سفر میں حادثہ کچھ شاہِ دیں پر ہو گیا
آئی مرقد سے صدا اللہ تجھ کو صبر دے گھر لٹا خیمہ جلا فرزند بے سر ہو گیا
پوچھتی تھی راہگیروں سے یہ زینبؑ شام میں کربلا میں دفن فرزندِ پیمبر ہو گیا
جو ہوا بیمارِ اندوہِ شہ دیں اے انیس اوجِ اصحابِ مسیح اس کو میسر ہو گیا

(۱۴)

علی سا بھی نہ کوئی عادلِ زمانہ ہوا کہ ایک باز و کبوتر کا آشیانہ ہوا
مکاں رہے نہ مکیں طرفہ کارخانہ ہوا زمیں الٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا
سیاہ دیدۂ شبیرؑ میں زمانہ ہوا ہوائے ظلم سے جب گل چراغِ خانہ ہوا
امیر جس درِ دولت پہ اک زمانہ ہوا وہ گھر اجڑ گیا برباد کارخانہ ہوا
یہ انقلاب غضب کا ہے یا علی فریاد کہ مسجدیں تھیں جہاں واں شراب خانہ ہوا
شباب تھا کہ دمِ واپسیں کی آمد و شد یہ مضطرب ادھر آیا ادھر روانہ ہوا
جو زندہ پھرتے ہیں قبروں پہ کہتے ہیں مردے کہ ہم کبھی پھرتے تھے یونہی اسے زمانہ ہوا

گرائی برق فلک نے اسی پہ یا تقدیر — جو کھیت میں مری قسمت کا ایک دانہ ہوا
کیا قبول قناعت سے بحرِ عالم میں — صدف کی طرح میسر جو آب و دانہ ہوا
کشاں کشاں مجھے جانا پڑا وہاں آخر — جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ ہوا
لحد یہ کہتی ہے میت سے اب ہے تو اور میں — جو ساتھ آیا تھا وہ قافلہ روانہ ہوا
اندھیری قبر تھی اور میں تھا یا علیٔ ولی — حضور آئے تو روشن سیاہ خانہ ہوا
بچھا ہے قاف سے تا قاف جس کا خوانِ کرم — نصیب اسے کئی دن تک نہ آب و دانہ ہوا
حسین نے کبھی شکوہ کیا نہ اُمت کا — گلہ ہوا بھی کسی سے تو دوستانہ ہوا
پڑا جو سایۂ گیسوئے پیچ دارِ حسین — تو ذوالجناح یہ سمجھا کہ تازیانہ ہوا
دلہن کو دے کے سدھارے تھے آستین جس کی — کفن بنے کا وہی خلعتِ شہانہ ہوا
لگا کے بچے کو اک تیر حرملہ نے کہا — یہ کام مجھ سے دمِ جنگ رستمانہ ہوا
پکارے شاہ کہ اس دردِ دل کو مجھ سے پوچھ — خبر ہے کیا تجھے کس کا جگر نشانہ ہوا
ملا نہ اصغرِ ناداں کو جام پانی کا — صراحی دار گلا تیر کا نشانہ ہوا
رہا نہ کوئی بہتر میں ظہر تک باقی — حسین رہ گئے سب کارواں روانہ ہوا
وہ زلف چوبِ سناں میں بندھی ہزار افسوس — نبیؐ کے پنجۂ مژگاں سے جس میں شانہ ہوا
سحاب سائے میں رکھتا تھا جس کے نانا کو — لحد نہ اس کو میسر نہ شامیانہ ہوا
فراقِ شہ کا نہ صدمہ اٹھا سکینہؑ سے — قلق سے جان گئی موت کا بہانہ ہوا

بھٹک کے راہ سے پیچھے کہیں نہ رہ جاؤ
اُٹھو انیسؔ اُٹھو قافلہ روانہ ہوا

(۱۵)

مجرائی رن میں شہ پہ ستم بے حساب تھا — نایاب گھر میں ساقیٔ کوثر کے آب تھا
دریا کی سمت رُخ بھی نہ کرتے تھے وقت جنگ — پانی سے تشنہ کاموں کو یہ اجتناب تھا
اللہ رے حُر کا مرتبہ گھوڑے پہ جب چڑھا — تھامے رکاب کو خلفِ بوتراب تھا
قاسم نے بعد عقد کہاں ماں سے وقتِ صبح — یہ بیاہ بھی خیال جو کیجے تو خواب تھا
زینبؑ کے بیٹے ایسے تھے حسن و جمال میں — ایک آفتاب اگر تھا تو اک ماہتاب تھا
خیمے میں ابنِ ساقیٔ کوثر کے ہے غضب — جز اشک دیکھنے کو میسر نہ آب تھا
قاسم کے وقتِ نزع یہ جاری زباں پہ تھا — سامانِ شب خیال تھا اور بیاہ خواب تھا
اکبر ہوئے شہید تو گھر میں نہ آتے تھے — بانو کے منھ سے یہ شہِ دیں کو حجاب تھا
گھر لوٹنے کو شمر جب آیا حسینؑ کا — ق ناموس مصطفٰے کو عجب اضطراب تھا
زینب یہ کہتی تھی مرے بھائی کے قتل میں — کوشاں زیادہ سب سے یہ خانہ خراب تھا
سجاد غرق تھے عرقِ شرم میں انیسؔ — کنبہ نبیؐ کا بلوے میں جب بے نقاب تھا

(۱۶)

اسی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا — اسی کی شان نظر آگئی جدھر دیکھا
علی کو حق نے اُتارا جو عین کعبے میں — کھلی جو آنکھ تو پہلے خدا کا گھر دیکھا
قریبِ قبر ہم آئے کہاں کہاں پھر کر — تمام عمر ہوئی جب تو اپنا گھر دیکھا
سحر ہوئی شبِ معراج کی تو لوگوں نے — ق جمالِ پاکِ رُخِ سیّد البشر دیکھا
کہا یہ سب نے غلاموں سے کیجیے ارشاد — جو کچھ حضور نے یا شاہِ بحر و بر دیکھا

گہر فشاں ہوئے لعلِ لبِ رسولِ کریم — کہ سب سے رتبۂ حیدر زیادہ تر دیکھا
ورائے کرسی و عرش عظیم و لوح و قلم — وصی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا
ولی ولی کی صدا تھی جہاں جہاں پہنچا — علی علی نظر آئے جدھر جدھر دیکھا
کہاں تلک کہوں نکلا جو ہاتھ پردے سے — تو صاف دستِ یداللہِ نامور دیکھا
بروزِ عید بھی آیا جو کوئی ملنے کو — غمِ حسینؑ میں عابد کو نوحہ گر دیکھا
کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیسؔ — عروجِ مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

(۱۷)

ہے تخت پر جلوس جنابِ امیرؑ کا — ڈنکا ہے اب جہاں میں نبیؐ کے وزیر کا
کیفیتیں اٹھائے نہ کیوں دل فقیر کا — نشہ چڑھا ہوا ہے شرابِ غدیر کا
واقف خمارِ غم سے نہیں دل فقیر کا — پیمانہ کش ہوں بادۂ خُمِ غدیر کا
شہرہ ہے شش جہت میں حدیثِ غدیر کا — بیعت کو ہاتھ اٹھا تھا صغیر و کبیر کا
بعد از نبیؐ ہے تخت جنابِ امیرؑ کا — سلطاں کی مملکت میں عمل ہے وزیر کا
چھد جائے دل چمن میں نہ کیوں ہم صفیر کا — میری ہر اک زفیر میں عالم ہے تیر کا
ہو جائے پست اوج نہ کیوں ہمصفیر کا — طوبےٰ کے سر پہ شور ہے میری زفیر کا
غل سن کے عندلیب قلم کی صریر کا — رنگ اڑ گیا ہے صاف مرے ہم صفیر کا
دولت سے فقر کی ہے غنی دل فقیر کا — محتاج بادشاہ کا ہوں نہ وزیر کا
جاری ہے کیا ہی فیض جنابِ امیر کا — دامن دُروں سے بھرتے ہیں ابرِ مطیر کا
دیکھا ہے منہ جو تیغِ جنابِ امیرؑ کا — بجلی بنا ہے آئینہ مہرِ منیر کا

اللہ رے فقر حیدرِ گردوں سریر کا
رہتا تھا خوابگاہ میں بستر حصیر کا

دیکھو کرم رسولِ خدا کے وزیر کا
قاتل کو بھی سخی نے دیا جام شیر کا

ہے جائے گریہ حال جناب امیر کا
کرتے تھے شکر پھانک کے آردِ شعیر کا

اثنا عشر کے در کا گدا ہوں پتہ یہ ہے
بارہ دری میں رہتا ہے بستر فقیر کا

یاں ان دنوں سے شہدِ فصاحت زباں پہ ہے
چکھا تھا جب مزا ابھی نہ مادر کے شیر کا

پل میں پلِ صراط سے گزریں گے مومنیں
جس وقت نام لیں گے جناب امیرؑ کا

اے باغباں میں بلبلِ گلزارِ قدس ہوں
سدرہ پہ آشیاں ہے مرے ہم صفیر کا

اصحاب سے یہ صاحبِ معراج کہتے تھے ق
کیا مرتبہ ہے بادشۂ قلعہ گیر کا

پائی کسی نبی نے رسائی نہ اس قدر
دیکھا خدا سے قرب وہ اپنے وزیر کا

پہنچا جہاں جہاں میں نظر کی جدھر جدھر
تھا ہر جگہ ظہور جنابِ امیرؑ کا

دو انگلیوں سے کلۂ اژدر کیا ہے دو
حیدر نہ کیوں لقب ہو مرے دستگیر کا

کعبے میں دوشِ پاکِ نبیؐ پر رکھے قدم
اے چرخ دیکھ اوج مرے دست گیر کا

مختارِ عرش و فرش تھے ہر چند بو ترابؑ
لیکن پسندِ طبع تھا بستر حصیر کا

اس زور سے لگائی تھی قاتل نے ضربِ تیغ
شق ہو گیا تھا فرق جنابِ امیرؑ کا

تھرا رہے تھے مسجدِ کوفہ کے بام و در
پرخوں تھا رخ رسول کے مہرِ منیر کا

سر پیٹتے تھے گرد نمازی کھڑے ہوئے
زخمی پڑا تھا شیر خدائے قدیر کا

آئی مہِ صیام کی اکیسویں جو رات ق
بے جاں ہوا امام صغیر و کبیر کا

زہرا کی دونوں بیٹیاں سر پیٹنے لگیں
منہ ڈھانپ کر ردا سے شہِ بے نظیر کا

فرزند غسل دے چلے جس دم تو جبرئیل — لائے کفن جناں سے شہ قلعہ گیر کا
پوچھا حسینؑ نے یہ حسنؑ سے کہ بھائی جان — کیوں رُخ ہے سبز خسروِ گردوں سریر کا
منہ پیٹ کر وہ بولے کہ اس کا سبب یہ ہے — تھا زہر میں بجھا ہوا تیغا شریر کا
آہ و بکا سے حشر تھا کوفے کی راہ میں — تابوت لے چلے جو نبیؐ کے وزیر کا
قیدی دُوہائی دیتے تھے روتے تھے سب فقیر — لے لے کے نام پاک جنابِ امیر کا
رانڈیں پکارتی تھیں کہ ہے ہے غضب ہوا — وارث اُٹھا جہاں سے یتیم و یسیر کا
پوچھے کوئی پتہ تو یہ کہہ دیجیو انیسؔ — ہے وادی السّلام بسترِ فقیر کا

(۱۸)

دل سیر ہے گدائے جنابِ امیرؑ کا — خالی کبھی رہا نہیں کاسہ فقیر کا
مطلب یہی ہے ہاتھ کی ہر اک لکیر کا — دامن نہ چھوٹنے پائے جناب امیر کا
کیا پُوچھتے ہو نام مرے دستگیر کا — بازو نبیؐ کا ہاتھ خدائے قدیر کا
حافظ اگر ہو عدل جنابِ امیر کا — شعلہ پہن لے جسم میں کُرتا حریر کا
تھا حق پسند فقر جنابِ امیر کا — ابتک ہے مسجدوں میں بچھونا حصیر کا
عاشق ہوں رُوئے پاکِ جنابِ امیر کا — کعبے کی سرزمیں پہ ہے بستر فقیر کا
کرسی نبی کی عرش جنابِ امیر کا — وہ شاہ کی جگہ یہ محل ہے وزیر کا
کیا پوچھتے ہو مذہب و مشرب فقیر کا — شیشہ بغل میں ہے مئے خمِ غدیر کا
گلشن میں سُن کے زمزمہ پردازیاں مری — دم بند ہو گیا ہے مرے ہم صفیر کا
معصوم سب ہیں جوشنِ بازوئے مصطفا — یاں ایک مرتبہ ہے صغیر و کبیر کا
خیبر کا در اُکھاڑ لے وہ جلِّ شانہٗ — ٹکڑا نمک سے کھائے جو نانِ شعیر کا
پیاسا ہوں ساقیا مئے کوثر کا خم کی خیر — بھر دے خدا کی راہ میں کاسہ فقیر کا

احسانِ بوتراب کا گردن پہ بوجھ ہے
سر کس طرح جھکا نہ رہے چرخ پیر کا

اشکوں سے لب بھگو دے مرے اے فراتِ چشم
عادی ہوں میں طہارتِ آبِ کثیر کا

دستِ خیالِ حور نہ پہونچا جہاں کبھی
اس دوش پر تھا پاؤں مرے دستگیر کا

حکمِ خدا سے قاسمِ ارزاقِ خلق ہیں
سب ہاتھ دیکھتے ہیں مرے دستگیر کا

سبطینِ مصطفےٰ کو سمجھتے ہیں جو حسین
تیغوں میں ہے یہ فرز صغیر و کبیر کا

مومن سمجھ لیں دل میں یہ پردے کی بات ہے
نکلا کہاں سے ہاتھ جنابِ امیر کا

کیا رحم تھا کہ شیرِ الٰہی نے رو دیا
جب آگیا خیال یتیم و اسیر کا

اس کے پسر کو پانی کا قطرہ ملے نہ ہائے
قاتل کو جس نے بھیج دیا جام شیر کا

جب مر گئے علی تو مدینے میں شور تھا
آج اٹھ گیا شفیق یتیم و اسیر کا

حیدر کے حکم رسم پہ رونے لگے حسینؑ
کاسہ دیا جو آپ نے قاتل کو شیر کا

یوں شش جہت میں قاتلِ شبیر خوار ہے
ہفتے میں جیسے روز ہے منحوس پیر کا

پیری تو آچکی ہے مگر مہلت اے اجل
کر لوں طوافِ قبرِ جنابِ امیر کا

۱۹

مجرئی شاہ کا ہوں خلد میں ہے گھر میرا
منتظر حوریں ہیں مشتاق ہے کوثر میرا

شاہ کہتے تھے لعینو نہ ستاؤ مجھ کو
ماں ہے زہرا مری نانا ہے پیمبر میرا

کٹ گئے ہاتھ تو بولے یہ علمدارِ حسینؑ
مرتبہ ہو گیا جعفر کے برابر میرا

شمر سے کہتے تھے عباس میں کیونکر بہکوں
خضر کو راہ بتا دیتا ہے رہبر میرا

شاہ فرماتے تھے بس خاتمۂ جنگ ہے آج
عصر کے بعد نہ میں ہوں گا نہ لشکر میرا

شاہ کہتے تھے نہ سوجھی مجھے عباس کی لاش
لے گئے ہاتھ پکڑ کر علی اکبر میرا

کہتا تھا شمر کہ زہرا کی صدا آتی تھی
پکڑے لیتا تھا کوئی ہاتھ سے خنجر میرا

قبرِ اکبر پہ یہ بانو نے کہا بیٹا واہ
گور آباد کی ویران کیا گھر میرا

شاہ فرماتے تھے کیا قتل کروں امت کو
میں ہوں شمشیرِ خدا صبر ہے جوہر میرا

کہتی تھی بالی سکینہ کہ بچاؤ بابا
بدگہر چھینے لئے جاتا ہے گوہر میرا

شہ نے فرمایا نہیں قبر سے کچھ کام مجھے
سنگ بالش ہے اب اور خاک ہے بستر میرا

لاشِ شبیر پہ جبریل نے آکر یہ کہا
خاک پر سوؤ نہ حاضر ہے یہ شہپر میرا

فاطمہ کہتی تھی بے چین نہ کیجو اے قبر
سو گیا ہے تری آغوش میں دلبر میرا

شاہ فرماتے تھے اب کون کرے کوششِ آب
ہائے سوتا ہے ترائی میں غضنفر میرا

روکے کہتی تھی سکینہ کہ بھرے لاتے تھے مشک
کٹ گئے ہاتھ چچا کے یہ مقدر میرا

بانو کہتی تھی کہ جنگل میں ڈرے گا لوگو
کبھی تنہا نہیں سویا علی اصغر میرا

جو کوئی پوچھتی کیا سن تھا تو کہتی بانو
چھ مہینے سے بھی کم تھا علی اصغر میرا

شمر کہتا تھا یہ تھا خشک گلوئے شبیر
کہ ذرا تر نہ ہوا خون سے خنجر میرا

کہتی تھی رو رو کے بانو یہ توقع تھی مجھے ق
کہ اٹھائے گا جنازہ علی اکبر میرا

میں تو جیتی رہی اور اٹھ گئے وہ دنیا سے
ان کی تقصیر نہیں کچھ یہ مقدر میرا

روکے بانو نے کہا پچھلے پہر زنداں میں
دودھ پینے کو نہ چونکا علی اصغر میرا

شمر کہتا تھا میں جب کرتا تھا شبیر کو ذبح
کیسی مظلومی سے منہ تکتے تھے سرور میرا

کہتی تھی زوجِ محمد یہ تماشائیوں سے
بند آنکھیں کرو کنبہ ہے کھلے سر میرا

گر کے لاش علی اکبر پہ کہا عابد نے — ہائے غمخوار مرا ہائے برادر میرا

(۲۰)

مجرئی جس نے مزارِ شہ ذیشاں دیکھا — اس نے دنیا ہی میں بس روضۂ رضواں دیکھا
ہو گیا نظروں میں شبیر کی تاریک جہاں — خاک و خوں میں علی اکبر کو جو غلطاں دیکھا
جس کی مادر کا اُٹھا شب کو جنازہ افسوس — دن کو خلقت نے اسے باسرِ عریاں دیکھا
اس قدر روئیں کہ غش کر گئیں بانوئے حزیں — شاہ کی گود میں اصغر کو جو بے جاں دیکھا
رکھ کے زانو پہ سرِ حر کو کہا حضرت نے — اپنے رتبے کو بھی کچھ اے مرے مہماں دیکھا
لاشوں پر بیٹوں کے کہتی تھی یہ زینب رو کر — بہت ارماں تھا کہو قتل کا میداں دیکھا
بیاہ کے دن جو ستم قاسمِ نوشہ پہ ہوئے — کسی شادی میں نہ ماتم کا یہ ساماں دیکھا
سمجھی زینب گئے عباس اور اکبر مارے — شہ کو جب پکڑے کمر چاک گریباں دیکھا
اور بھی حال پریشان ہوا بانو کا — زلفِ اکبر کو جو نیزے پہ پریشاں دیکھا
پیٹتی سینہ و سر خیمے سے نکلی زینب — حلقِ شہ پر جو رواں خنجرِ برّاں دیکھا
شہ کا سر پڑھتا تھا قرآن تو کہتے کوئی — سرِ بے تن کو نہیں حافظِ قرآں دیکھا
عمر بھر دہ شبِ تاریک کو سمجھا شبِ ماہ — جس نے نیزے پہ سرِ شاہِ شہیداں دیکھا
لڑکیاں کہتی تھیں صغرا سے کہ ہم نے تم کو — آ کے جب دیکھا تو منہ پر لئے داماں دیکھا
خاک پر سینہ و سر پیٹ کے اونٹوں سے گرے — حرمِ شاہ نے جب گنجِ شہیداں دیکھا
تھا یہ نزدیک نکل جائیں تنوں سے جانیں — دوسرے قیدیوں نے جب درِ زنداں دیکھا
عمر بھر باپ کے ماتم ہی میں سجاد رہے — جس نے دیکھا انھیں با دیدۂ گریاں دیکھا

باپ کو روتے تھے سجاد تو کہتی تھی یہ خلق
دیکھ لے جس نے نہ ہو نوح کا طوفاں دیکھا

کہتا سجاد سے جو یہ کہ نہ حضرت کو کبھی
تو مائلِ سیرِ گل و سنبل و ریحاں دیکھا

اس سے فرماتے تھے وہ خاک کرے سیرِ چمن
جس نے تاراج محمد کا گلستاں دیکھا

قید میں جو حرمِ شہ نے اذیت پائی
کس نے دنیا میں ہے یہ رنجِ فراواں دیکھا

ایک سا حال زمانے کا نہیں رہتا انیسؔ
انقلابِ فلک و گردشِ دوراں دیکھا

کیسا ہر دوست کے کام آتے ہیں مشکل میں انیسؔ
کس نے شبیر سا آقائے غریباں دیکھا

(۲۱)

مجرئی ڈیوڑھی پہ زینب نے جو آ کر دیکھا
حلقِ شبیر کو زیرِ دمِ خنجر دیکھا

خیمے سے پیٹتی سیدانیاں نکلیں باہر
گود میں شاہ کی جب لاشۂ اصغر دیکھا

شہ نے فرمایا یہی حلق مرا کاٹے گا
جس گھڑی شمر کو لاتے ہوئے خنجر دیکھا

تہِ خنجر شہِ مظلوم نے کس غربت سے
طرفِ خیمہ کئی مرتبہ پھر کر دیکھا

بس جونہی کٹنے لگی گردنِ پُر نور اُدھر
سر کھلے زینبِ دلگیر کو باہر دیکھا

لاشِ اکبر پہ یہ چلاتی تھی بانوئے حزیں
تم کو دولھا نہ بنے اے مرے دلبر دیکھا

شبہہ ہر اک کو ہوا ہے یہی سر احمد کا
شام میں نیزے پہ جس نے سرِ اکبر دیکھا

شمر کہتا تھا چڑھا شاہ کی جب چھاتی پر
میں نے زہرا و پیمبر کو کھلے سر دیکھا

بولے احمد کہ مرے قوتِ بازو شاباش
جس گھڑی دستِ علی میں درِ خیبر دیکھا

پاس بیٹے کے جگر تھام کے غش ہو گئے شاہ
زخمی جب برچھیوں سے سینۂ اکبر دیکھا

تیغ گردن پہ چلی اور نہ تڑپے شہِ دیں
ایسا صابر نہیں کوئی تہِ خنجر دیکھا

کہا چلّا کے یہ زہرا نے کہ ہے ہے اماں ۔۔۔ حلقِ شبّیر جو زیرِ دمِ خنجر دیکھا
بعدِ قتلِ شہِ دیں شور یہ تھا شہر بہ شہر ۔۔۔ ہم نے کٹنے کو محمدؐ کے کھلے سر دیکھا
رو رو چلّاتی تھی زینب کہ دوہائی بابا ۔۔۔ مجھ کو سب نے سرِ بازار کھُلے سر دیکھا
سخت جاں کہتی ہوں کہتی تھی یہ بنتِ زہرا ۔۔۔ ق ۔۔۔ حلق پر شاہ کے چلتے ہوئے خنجر دیکھا
مال و اسباب لُٹا بیڑیاں عابد کے پڑیں ۔۔۔ آتشِ ظلم سے پھر جلتے ہوئے گھر دیکھا
ہائے میں ہو نہ گئی کور کہ ان آنکھوں سے ۔۔۔ سرِ ترا نیزۂ خولی پہ برادر دیکھا
ایک سا حال زمانے کا نہیں رہتا انیسؔ ۔۔۔ انقلابِ فلکِ پیر مکرّر دیکھا

۴۲

مجرئی صدقے ہوں اس درگاہ پر ۔۔۔ فوق ہے جس کے گدا کو بادشاہ پر
خاصگانِ کبریا ہیں پنجتن ۔۔۔ [illegible] اللہ پر
بخشش و ہمّت عطا و عدل و داد ۔۔۔ ختم ہے آلِ رسُولِ اللہ پر
تد توں بھٹکا پھرا حرؔ جری ۔۔۔ مل گئی جنت جب آیا راہ پر
چہرۂ اکبر سے کیا تشبیہہ دوں ۔۔۔ چھائیاں ہیں صاف روئے ماہ پر
جب چلے شہ بہرِ استقبالِ حُر ۔۔۔ غل تھا صدقے سیّدِ ذی جاہ پر
حُر نے بیٹے سے کہا اے نورِ عین ۔۔۔ ق ۔۔۔ سر کو رکھ دے چل کے پائے شاہ پر
چاہ پیاسے تک نہیں آتا کبھی ۔۔۔ دوڑ کر جاتا ہے پیاسا چاہ پر
جب سرِ بیرُ العلم آئے علی ۔۔۔ ق ۔۔۔ طعنہ زن تھا روئے روشن ماہ پر
کہتی تھیں پریاں سلیماں کی قسم ۔۔۔ حضرتِ یوسف کھڑے ہیں چاہ پر

جب بندھا سہرا تو قاسم نے کہا موت ہنستی ہے ہمارے بیاہ پر
شاہ کہتے تھے کہ فانی ہے جہان لوگ کیوں مرتے ہیں حُبِ جاہ پر
مال کیا ہے گر کوئی مانگے تو ہم جان دیتے ہیں خدا کی راہ پر
دُھوپ میں روکی جو حضرت نے سپر آگیا بدلی کا ٹکڑا ماہ پر
پیاس فاقہ بیکسی ایذائے قید ظلم تھے آلِ رسُول اللہ پر
لاشۂ بے سر پڑا تھا قبلہ رُو دھوپ تھی خیر النسا کے ماہ پر
طائرانِ کربلا و نینوا سایۂ شہپر کئے تھے شاہ پر
اہلِ دُنیا سے نہیں مطلب انیس یاں توکّل ہے فقط اللہ پر

(۲)

یوں فلک ہے روضۂ شبیرِ عالی جاہ پر اے سلامی ہے کلف جس طرح روئے ماہ پر
خضر قرباں ہیں سلوکِ حیدرِ ذیجاہ پر پھر نہ بھٹکا وہ جسے لائے خدا کی راہ پر
احمدِ مرسل نے دنیا میں جو کی فاقہ کشی رزق ہر ممکن کا واجب ہوگیا اللہ پر
حضرتِ یعقوب کی اُلفت کی قدر اس دم کھلی کھینچ کر یوسف کو جب لائے برادر چاہ پر
نقشِ پائے شاہ سے تشبیہہ دیتے ہم ضرور گر نہ ہوتا جھائیوں کا عیب روئے ماہ پر
قبر میں نہ تخت اس کا ہے نہ اُس کا بوریا ڈھیر مٹی کا برابر ہے گدا و شاہ پر
ہاتھ وہ ہیں بند جو ہوئیں نہ امرِ خیر میں پاؤں وہ ہیں جو چلے جائیں خدا کی راہ پر
سارقوں نے سُن لئے مضمونِ مولودِ علی اب کمندیں پھینکتے ہیں قصرِ بیت اللہ پر
عیب بینوں میں ہنر کوئی نہیں جُز اعتراض شعر کیسے معترض اب ہوں گے بیت اللہ پر

فقر کی نعمت کا میں بھوکا ہوں یا مشکل کشا — آپ کشکولِ گدا بھر دیں خدا کی راہ پر
دولت اِس کو دی قناعت کی تو اُس کو زر دیا — لطف اس عادل کا یکساں ہے گدا و شاہ پر
الفتِ یوسف زلیخا کو ہمیں عشقِ علیؑ — کوئی پیاسا حوضِ کوثر پر تو کوئی چاہ پر
تختِ سلطان سے بھی بالا تر ہے اس کا بوریا — صاحبِ مسند ہے تکیہ ہے جسے اللہ پر
آدم و جن و ملک حور و پری شمس و قمر — کس کا سر ہے جو نہیں جھکتا تری درگاہ پر
ابروؤں پر شہ کی کیا زیبا ہے نورانی جبیں — خوشنما ہے لوح ہر سورے میں بسم اللہ پر
کہتے تھے قاسم کوئی ہم سا نہیں حسرت نصیب — جو نئے دولھا ہیں روئیں گے ہمارے بیاہ پر
رن سے جو بھاگا نہ جھپٹے اس پہ حضرت جنگ میں — شیرِ نر حملہ کبھی کرتے نہیں روباہ پر
ہر جگہ پیکاں پہ پیکاں تھا سری پر تھی سری — یہ کمانوں سے چلے تھے تیر جسمِ شاہ پر
لاشۂ شبیرؑ عریاں تھا تو صحرا کے طیور — شہپروں سے دھوپ میں سایہ کئے تھے شاہ پر
حبِ حیدر چاہیے کیسی خطا کیسے گناہ — بخش دینا جرم کیا دشوار ہے اللہ پر
فکر کا ہے کی ہے کیا دنیا سے جاؤ گے انیسؔ — اپنا توشہ لے کے دسترخوانِ شاہنشاہ پر

(۴۴)

سنبلِ تر ہے پریشاں زلفِ اکبر دیکھ کر — کٹ گیا ہے ماہِ تاباں روئے انور دیکھ کر
آب ہو جائے گا حسنِ روئے اکبر دیکھ کر — سامنے آئینہ لانا اے سکندر دیکھ کر
پیشِ خالق سب ہیں یکساں رشک او غافل نہ کر — آپ کو کم دیکھ کر اوروں کو برتر دیکھ کر
صرفۂ خاکِ شفا سے یوں کھلا تربت میں دل — جس طرح بلبل ہو بالیدہ گلِ تر دیکھ کر
کی رسائی بختِ حرؑ نے جب تو پہنچا شہ کے پاس — آ گیا خود راہ پر جنت کا رہبر دیکھ کر

جب چلی اعدا پہ تیغِ شہ پکارے جبرئیل — یا حسین ابنِ علی خادم کے شہپر دیکھ کر
خلد میں یاد آئی جب عباس کو بچوں کی پیاس — رو دیا اس باوفا نے سوئے کوثر دیکھ کر
خم ہوئی شہ کی کمر ہاتھوں کی طاقت گھٹ گئی — دونوں شانوں سے قلم دستِ برادر دیکھ کر
خاک پر بے دم پڑے ہیں سب عزیز و اقربا — روتے ہیں شبیر لاشوں کو برابر دیکھ کر
حشر تھا اہلِ حرم میں وقتِ قتلِ شاہِ دیں — روتے تھے دشمن بھی شہ کو زیرِ خنجر دیکھ کر
کربلا کو ہند سے جاتے اگر ہم اے انیس — شاد ہو جاتے وہ صحرائے منور دیکھ کر

(۲۵)

ہر چشم ہے مجرائی کی دریا کے برابر — ہے اشک ہر اک گوہرِ یکتا کے برابر
زینب نے کہا رن سے مرے لاڈلے آئے — زخمِ تبر و تیر و سناں کھا کے برابر
اکبر کا ادب کیوں نہ کروں کہتے تھے عباس — فرزند بھی آقا کا ہے آقا کے برابر
بابا سے جو بچھڑی تو ہوئی پھر نہ ملاقات — دکھیاری نہ ہوگی کوئی صغرا کے برابر
سجادِ حزیں کہتے تھے بہتر تھا جو بستی — جنگل میں مری قبر بھی بابا کے برابر
پڑھتے تھے رجز یوں شہِ مظلوم دمِ حرب ق — جا جا کے صفِ لشکرِ اعدا کے برابر
سلطانِ رسالت کے ہیں کاندھے پہ چڑھا ہوں — رتبہ ہے مرا عرشِ معلیٰ کے برابر
ماں فاطمہ زہرا سی ہے عالم میں کسی کی — بابا ہے کسی کا مرے بابا کے برابر
کہتی تھی سکینہ کہ ملے تھوڑا سا پانی — قطرہ بھی ہے اس پیاس میں دریا کے برابر
زینب نے کہا شمر نہ ہاتھ اس کو لگانا — ہے میری ردا چادرِ زہرا کے برابر
دیر اس کے کرم کی ہے انیسِ جگر افگار — ادنیٰ ابھی ہو جاتا ہے اعلا کے برابر

۱۲۶ھ

قلب کے جلتے ہی جا پہنچا دھواں بالائے سر
آتشِ پنہاں ہوئی آخر عیاں بالائے سر

روزِ عاشورہ یہ ہے اس دھوپ میں پیاسے حسینؑ
آفتاب آیا جو بہرِ امتحاں بالائے سر

عشقِ خالق تھا جو حضرت نے شہادت کی قبول
ورنہ اُٹھ سکتا ہے یہ بارِ گراں بالائے سر

کہتے تھے سرورؑ زمیں سے ہم نہ سرکائیں قدم
گر پڑے وقتِ وغا گر آسماں بالائے سر

واہ رے رُتبے نکلتے تھے جو گھر سے مصطفٰےؐ
ابر بن جاتا تھا آ کر سائباں بالائے سر

گھر خراب آبادِ ہستی میں بنانا ہے عبث
مر کے کیا لے جائے گا نادان مکاں بالائے سر

تیغ سے کٹتا تھا جب پیاسا گلا شبیرؑ کا
باپ پہلو میں کھڑا تھا اور ماں بالائے سر

حرؑ سے شہ بولے شرف کیا تو نے پائے وقتِ مرگ
ق
ہیں نبیؐ پہلو میں حیدرؑ مدح خواں بالائے سر

دیکھ یہ رومال ہے زہراؑ کے دستِ پاک کا
باندھتا ہوں میں جسے اے میہماں بالائے سر

باغِ دنیا میں نہ پھل پایا تو کچھ کھٹکا نہ کر
خلد میں طوبیٰ کی ہوں گی ڈالیاں بالائے سر

گلشنِ عالم میں سو کر پھر نہ چونکے اے انیسؔ
بُلبلیں کرتی رہیں شورِ فغاں بالائے سر

(۲۷)

کچھ اور جز سخن نہیں اہلِ سخن کے پاس
مجرائی کیا زباں کے سوا ہے دہن کے پاس

مجرائی گھر ملے گا امامِ زمن کے پاس
ہوتا ہے آشیانۂ بُلبل چمن کے پاس

کس کو فشارِ قبر کی دہشت ہو قبر میں
آنسو ہمارے ساتھ ہیں صرہ کفن کے پاس

کہتے تھے دیکھ کر لبِ و دندانِ شہ کو لوگ
سمرن دُرِ عدن کی ہے لعلِ یمن کے پاس

شہ پڑھ چکے جو عقد تو آئے سلام کو
دُولھا کے پاس موت رنڈاپا دولہن کے پاس

ے یہ سلام میر سلیسؔ کا ہے

قاسم جو مر گئے تو کہا شہ نے اے بہن
پہنچی حسن کی آج امانت حسن کے پاس

زینب یہ بولیں کرتی ہوں صدقے میں اپنے لال
بھائی نہیں ہے اس کے سوا کچھ بہن کے پاس

سمجھے یہ سب کہ عون و محمد ہوئے شہید
روتے ہوئے حسین جو آئے بہن کے پاس

چلائی بانو دیکھ کے اصغر کی قبر کو
مجھ کو بھی گاڑ دے کوئی اس گلبدن کے پاس

صغرا یہ بولی آیا نہ اب تک جواب خط
کیا نامہ بر گیا نہیں شاہِ زمن کے پاس

سوفار جس کا تر نہ ہو خونِ حسین سے
ایسا نہ تیر تھا کوئی ناوک فگن کے پاس

دریا پہ حرملہ نے لگایا لبوں پہ تیر
چلو بھی لائے تھے نہ شہِ دیں دہن کے پاس

صدمے سے کانپنے لگے عابد کے ہاتھ پاؤں
جس وقت بیڑیاں نظر آئیں رسن کے پاس

سینے پہ بعد مرگ رہیں زائروں کے پاؤں
یارب لحد انیس کی ہو کفش کن کے پاس

(۴۷)

خوشا زمینِ معلّاز ہے فضائے نجف
ریاض خلد بھی ہے شائق ہوائے نجف

جسے خدا سے محبت ہے اس کو کعبے سے
جسے ولائے علی ہے اُسے ولائے نجف

ملی انگوٹھی بھی ویسی ہی تھا نگیں جیسا
نجف برائے علی تھا علی برائے نجف

یہ شوق ہے کہ نہ بیدار ہوں قیامت تک
جو خواب میں کبھی نقشہ مجھے دِکھائے نجف

وہاں قدم کا ہے کیا کام اے ادب توبہ
سروں سے چلنے کے قابل ہیں کوچہ ہائے نجف

شراب بنتی ہے سرکہ علی کی دہشت سے
یہ انقلاب نہ دیکھا کہیں سوائے نجف

مریض کے لئے اکسیر ہیں یہ دو نسخے
غبارِ مرقدِ شبیر اور ہوائے نجف

اِدھر سے کوشش کامل ہے اور اُدھر سے کشش
انیس ہم نہ رہیں گے کہیں سوائے نجف

شہ کو رلایا مجرئی اعدا نے یاں تلک　　فریادِ اہلِ بیت گئی لامکاں تلک
کیا شہ کو اپنے نانا کی اُمت کا پاس تھا　　شکوے کا حرف دل سے نہ آیا زباں تلک
یوں غازی ہنستے جاتے تھے مقتل کو جس طرح　　جائے برائے سیر کوئی گلستاں تلک
کہتے تھے شہ حرم سے کہ اس طرح روئیو　　باہر کوئی سُنے نہ صدائے فغاں تلک
کہتا تھا شمر ہوئے گی راحت مجھے کمال　　پہنچے گا رنج سبطِ نبیؐ کو جہاں تلک
سینہ سپر کئے رہے عباس وقتِ جنگ　　آنے دیئے نہ تیر شہِ انس و جاں تلک
عباس خاک پر جو گرے تھے کٹا کے ہاتھ　　پہنچی تھی سیل خون کی آبِ رواں تلک
مسلم کے لاڈلوں کی اجل تھی جو سدِ راہ　　دوڑے ولے پہنچ نہ سکے کارواں تلک
شہ پر سپر فدا ہوئے کھا کھا کے تیغ و تیر　　کیا جانفشاں تھے طفل سے لیکر جواں تلک
صغرا یہ کہتی تھی کہ مری جان جاتی ہے　　پہونچا دے اب تو کوئی مجھے بابا جاں تلک
وعلے نے طول کھینچا تو صغرا یہ کہتی تھی　　اکبر کے راہ آنے کی دیکھوں کہاں تلک
فضہ سے بانو کہتی تھی اکبر سجا کے کہہ　　صدقے گئی کھڑے کھڑے ہو جاؤ ماں تلک
شہ منہ کو دیکھ دیکھ کے اکبر کے کہتے تھے　　اپنی تو زندگانی ہے اس نوجواں تلک
اصغر ہوئے شہید تو اعدا سے بولے شاہ　　سبطِ نبی پہ ظلم کرو گے کہاں تلک
شبیر کو نہ چین ملا بعدِ قتل بھی　　پہنچوں سے ہاتھ کاٹ گیا ساربان تلک
سجاد روکے مقتلِ شہ پر یہ کہتے تھے　ق　آئی نہ کس لئے اجل اس ناتواں تلک
جس نے بہار دیکھی ہو باغِ رسول کی　　اس کو تو خار خار ہے جینا خزاں تلک

خیمہ جلا تو کہتے تھے عابد کہ تپ میں بھی
پہنچی گدازِ آتشِ غم استخواں تلک

بھاری تھا اس قدر کہ لعیں لے نہ جا سکے
عابد کو لائے کھینچ کے طوقِ گراں تلک

تھیں بیڑیاں بھی گوشت میں پیوست ہو گئی
عابد کے پاؤں سوج گئے تھے یہاں تلک

دو نہریں آنسوؤں کی بہا کرتی تھیں مدام
ہجرِ پدر میں روتے تھے سجادیاں تلک

زنداں میں روز ماں سے سکینہ یہ کہتی تھی
پہنچوں گی کس طرح پدرِ مہرباں تلک

آ کر سنا جو ہند نے زینب سے شہ کا حال
زنداں سے ہیٹتی گئی اپنے مکاں تلک

دیکھیں گے ہم بھی روضۂ شبیرؑ کو انیسؔ
پہنچائے گا نصیب گر اس آستاں تلک

(۳۰)

ضبطِ گریہ ماتمِ سرور میں ہو سکتا نہیں
سر جھکا کر بیٹھ مجلس میں جو رو سکتا نہیں

رات اندھیری پرسشِ اعمال ایذائے فشار
قبر میں بھی چین سے انسان سو سکتا نہیں

کارِ ذاتی میں ہیں عاجز کارسازانِ جہاں
گردِ اپنے منہ کی پانی آپ دھو سکتا نہیں

کہتے تھے حضرتؑ وہ مشرق میں کہ مغرب میں مریں
دوستوں کے ہم نہ کام آئیں یہ ہو سکتا نہیں

شاہ کہتے تھے یہ دنیا بھی ہے عبرت کی جگہ
مر گیا بیٹا جواں اور باپ رو سکتا نہیں

بیبیوں کی گود میں بیٹھے ہیں سب سہمے ہوئے
کوئی بچہ شمر کی دہشت سے رو سکتا نہیں

نظم ہے یہ یا دُرِ شہوار کی لڑیاں انیسؔ
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

(۳۱)

مرا رازِ دل آشکارا نہیں
وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں

وہ گل ہوں جدا سب سے ہے جس کا رنگ
وہ بُو ہوں کہ جو آشکارا نہیں

وہ پانی ہوں شیریں نہیں جس میں شور
وہ آتش ہوں جس میں شرارا نہیں

بہت زالِ دُنیا نے دیں بازیاں
میں وہ نوجواں ہوں کہ ہارا نہیں

فقیروں کی مجلس ہے سب سے جدا
امیروں کا یاں تک گذارا نہیں

سکندر کی خاطر بھی ہے سدِّ باب
جو دارا بھی ہو تو مدارا نہیں

جہنّم سے ہم بے قرار دل کو کیا
جو آتش پہ ٹھہرے وہ پارا نہیں

پھرے دوست جب ہوگئی قبر بند
کھلا اب کہ کوئی ہمارا نہیں

گئے پہنے نعلین واں مصطفٰے
فرشتے کا جس جا گذارا نہیں

گرے ڈگمگا کر زمیں پر حسینؑ
فرس سے کسی نے اُتارا نہیں

ترے صبر کے میں فدا یا حسینؑ
چھُری کے تلے دَم بھی مارا نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

(۴۲)

سلامی کی حسرت کا چارا نہیں
امامِ زماں آشکارا نہیں

عجب منزلِ بیکسی ہے لحد
کسی کو کِسی کا سہارا نہیں

غمِ شاہ سے گُلشنِ دہر میں
گریباں کِس گُل کا پارا نہیں

یہ گویا ہوئی شاہ کی ذوالفقار ق
کہ اعدا کے طعنے گوارا نہیں

حضوؐر ان پہ کرتے ہیں لطف و کرم
ذرا جن کو تم سے مدارا نہیں

علی کی قسم کیجیئے اب علم
تحمّل کا اب کو مجھ کو یارا نہیں

وہ دریا ہوں جس میں دو عالم ہوں غرق
کنارے کا میرے کنارا نہیں

وہ آتش ہوں سیماب ہیں اہلِ شر کبھی قائم اُلنار پارا نہیں
مجھے فاطمہؑ سے خجالت نہ ہو بس اب دیر مجھ کو گوارا نہیں
جواب ان کو کیا دوں گی پوچھیں گی جب سرِ شمر تو نے اُتارا نہیں
کہا شہ نے یہ سب سبھی پر ہمیں کوئی جد کی اُمّت سے پیارا نہیں
کہا شمر نے حرؑ سے ہنگامِ جنگ ق شجاعوں کو لازم کنارا نہیں
خلیفہ سے پھر کر نہ جا سُوئے شاہ مجھے تیرا نقصاں گوارا نہیں
اِدھر سیر پانی سے ہیں سب دلیر اُدھر بوند بھر کا سہارا نہیں
یہی وقتِ اخذِ زر و مال ہے پھر آنے کا یہ دن دوبارا نہیں
وہ غصّے سے بولا کہ بس بس خموش کہ اب ضبط کا دل کو یارا نہیں
سر و جان و تن مال و فرزند و زن کوئی ابنِ زہرا سے پیارا نہیں
کنارا کیا شہ نے دریا سے جب ہمیں کیوں مناسب کنارا نہیں
ندائے علی آئی اَے حرؑ یہ کہہ تجھے حالِ غیب آشکارا نہیں
علی دیں گے بھر بھر کے کوثر کے جام کسی کا وہاں کچھ اِجارا نہیں
مبارک ہمیں خُلد تجھ کو سقر وہ تیرا نہیں یہ ہمارا نہیں
ہوئے قتل اکبرؑ تو دل میں کہا ق حسینؑ اب تحمّل گوارا نہیں
مرقّع شہیدوں کا سب ہے مگر شبیہِ نبیؐ آشکارا نہیں
ندا دی کبھی رو کے سوئے فلک ستارے ہیں سب وہ ستارا نہیں
کبھی آہ کی رکھ کے سینے پہ ہاتھ دلا دردکا اپنے چارا نہیں

پکارے کبھی لے کے اکبر کا نام | مری جان رُوٹھو خدارا نہیں
کبھی نہر سے یوں مخاطب ہوئے | کہ تجھ میں تو موتی ہمارا نہیں
کہاں زخم کھایا کدھر گر پڑے | نشاں قتل گہ میں تمہارا نہیں
کلیجے میں شاید زیادہ ہے درد | کہ بابا کو اب تک پکارا نہیں
ملی جبکہ لاشِ پسر بولے شاہ | کوئی زیست کا اب سہارا نہیں
گرے شہ تو دیکھا زمیں صاف ہے | کہیں خار و خس آشکارا نہیں
کہا دل میں کس نے یہ جھاڑا مکاں | کوئی دوست باقی ہمارا نہیں
ندا آئی زاری تردّد ہے کیا | کہیں ماں کو تم سے کنارا نہیں
ہزاروں جراحت ہیں اور اک بدن | کوئی عضو ثابت تمہارا نہیں
غضب تھا جو ان زخموں میں چُبھتے خار | ترا بال بیکا گوارا نہیں
مکاں کون گنجِ شہیداں میں ہے | کہ بالوں سے میں نے بہارا نہیں
سکینہ پکاری بندھا جب گلا | ق اخی اب تحمّل کا یارا نہیں
وہ بولے بندھے ہیں مرے ہاتھ بھی | بہن کیا کریں بس ہمارا نہیں
چلو کربلا بے تردّد انیس | پئے کارِ خیر استخارا نہیں

(۳۴)

زرد چہرہ ہے نحیف و زار ہوں | ماتم سجّاد میں بیمار ہوں
مثلِ بُوئے گلُ سفر ہو گا مرا | وہ نہیں میں جو کسی پر بار ہوں
بُلبلیں دم بھر جدا ہوتیں نہیں | کس گلِ تر کے گلے کا ہار ہوں

عالمِ پیری میں اٹے کون پاس — اے عصا گرتی ہوئی دیوار ہوں
ہرکس و ناکس سے جھکنے کا نہیں — ہمہ مو میں تیغِ جوہر دار ہوں
اے زمیں مجھ کو حقارت سے نہ دیکھ — آسماں کا طرّۂ دستار ہوں
شہ کو عرضی میں یہ صغرا نے لکھا ق — رحم کیجئے طالبِ دیدار ہوں
شام سے گنتی ہوں تارے تا سحر — صورتِ مہتاب شب بیدار ہوں
شربتِ دیدار ہے میری دوا — اے مسیحائے زماں بیمار ہوں
بولا حُر لالچ دیا جب شمر نے ق — میں نثارِ سیّدِ ابرار ہوں
پھر فدا ہونے کی حسرت ہو مجھے — شاہ پر صدقے اگر سو بار ہوں
مجھ کو بہکاتا ہے او شیطانِ خلق — تو ہے غافل اور میں ہشیار ہوں
چھوڑ کر کعبے کو آؤں سوئے دیر — نور ہو کر پھر شریکِ نار ہوں
کہتے تھے عباسؑ اے فوجِ یزید ق — میں غلامِ سیدِ ابرار ہوں
میرا آقا ہے حسین ابنِ علی — ابنِ زہرا کا علمبردار ہوں
زورِ جعفر کا مرے بازو میں ہے — جنگ کرنے کے لئے تیار ہوں
کون ہے کونین میں مجھ سا جری — صف شکن ہوں صفدر و جرّار ہوں
کاٹ ڈالوں گا سرِ اعدائے دیں — ذوالفقارِ حیدرِ کرار ہوں
کہتے تھے اعدا سے حضرت وقتِ جنگ ق — وارثِ دارِ حیدرِ کرار ہوں
میں چڑھا ہوں مصطفٰے کے دوش پر — میں شبابِ خلد کا سردار ہوں
خرمنِ ہستی ابھی ہو جل کے خاک — برقِ قہرِ حضرتِ قہار ہوں

بنتِ احمد کا پیا ہے میں نے شیر — شیر ہوں جرار ہوں کرار ہوں
پہلے حملے میں اُلٹ دوں فوج کو — ایک دم میں اِن صفوں کے پار ہوں
بیچ میں ہے امتِ جد کا قدم — کیا کروں مجبور ہوں ناچار ہوں
کہتی تھی تیغِ علی یا شاہِ دیں ق — حکم گر دیجے تو آتش بار ہوں
سب کو کر دیتی ہوں فرش اک آن میں — عرش سے اُتری ہوئی تلوار ہوں
میں نے کاٹے ہیں پرِ رُوح الامیں — میں علی کی تیغِ جوہر دار ہوں
چار آئینہ ہو، بکتر ہو یا زرہ — چار کر دوں اس کو جس سے چار ہوں
کیا کروں لے خامسِ آلِ عبا — آپ کے اس رحم سے ناچار ہوں
کہتے تھے عابد اُٹھیں کیونکر قدم ق — اے ستمگارو نحیف و زار ہوں
دم بدم کھینچو نہ میرے ہاتھ کو — پاؤں بڑھ سکتے نہیں ناچار ہوں
میں پیادہ تم ہو گھوڑوں پر سوار — کس طرح دوڑوں بہت بیمار ہوں
کہتی تھیں زینب دوہائی یا علی — سر برہنہ میں سرِ بازار ہوں
سوکھ کر کانٹا ہوا ہوں پر انیسؔ — آنکھ میں دشمن کی اب تک خار ہوں

(۴۴)

شبیہہ امامِ زماں کھینچتے ہیں — تصوّر میں تصویرِ جاں کھینچتے ہیں
جگہ مول لی ہے مزاروں کی خاطر — زمیں پر شہِ دیں نشاں کھینچتے ہیں
بہت ہم کو پیسا ہے اک دن تجھے بھی — شکنجے میں اے آسماں کھینچتے ہیں
قریں سر کے ہے آفتابِ قیامت — لحد پر عبث سائباں کھینچتے ہیں

محبت کا رشتہ نہایت ہے نازک — مجھے کس لیے قدر داں کھینچتے ہیں
زمیں کے تلے جن کو جانا ہے اک دن — وہ کیوں سر کو تا آسماں کھینچتے ہیں
وہ ہیں پہلواں ہم جو قوت دکھائیں — فلک پر سرِ کہکشاں کھینچتے ہیں
چڑھے ہیں جوانوں کے زوروں پہ بازو — یہ کم زور اُتری کماں کھینچتے ہیں
عجب کیا جو حاسد کا دل ہو نشانہ — کہ ہم رُستمانہ کماں کھینچتے ہیں
سخن ہے اگر باعثِ تلخ کامی — تو ہم آپ اپنی زباں کھینچتے ہیں
ہوا جن کو لگنے نہ دیتی تھی بلبل — وہی گُل جفائے خزاں کھینچتے ہیں
جسے دیکھ کر ہوئے مانی کو حیرت — وہ تصویر رنگیں بیاں کھینچتے ہیں
انہیں کے لیے زمانے کی تلخی — بڑے رنج شیریں زباں کھینچتے ہیں
فقیروں نے یاں پاؤں پھیلا دیئے ہیں — عبث ہاتھ اہلِ جہاں کھینچتے ہیں
جھکاتے ہیں سر آستانِ علی پر — سرِ فخر تا لامکاں کھینچتے ہیں
نہ ہوگی صفت خالِ رخسارِ شہ کی — یہ خِفّت عبث نکتہ داں کھینچتے ہیں
پسینہ نہیں پونچھتے رُخ سے حضرت — گلابِ گُلِ ارغواں کھینچتے ہیں
غمِ شہ میں سرگرم ہیں اربعیں تک — یہ چلّہ ہمیں اے کماں کھینچتے ہیں
نکلیو نہ بدلی سے اے برقِ خاطف — حسینؑ آہِ آتش فشاں کھینچتے ہیں
کہا حُر سے شہ نے گناہوں پہ تیرے — خطِ عفو اے میہماں کھینچتے ہیں
زمیندار سیراب ہیں کربلا کے — اذیت اسامِ زماں کھینچتے ہیں
اِدھر خشک ہے فاطمہ کی زراعت — وہ کھیتوں میں آبِ رواں کھینچتے ہیں

کہا شہ نے ہشیار اے قوم ناری — ہم اب تیغِ آتش فشاں کھینچتے ہیں
بہت باغِ دُنیا کے کانٹوں میں اُلجھے — بس اب دست سوئے جناں کھینچتے ہیں
عبث ہیں عدو درپئے قتلِ اصغر — یہ ایذا کہیں بے زباں کھینچتے ہیں
پکاری سکینہ دو ہائی ہے بابا — ستم گر مری بالیاں کھینچتے ہیں
کٹی جاتی ہیں گردنیں بیبیوں کی — رسن کو جو ایذا رساں کھینچتے ہیں
عجب حال ہے دخترِ فاطمہ کا — رِدا سر سے ایذا رساں کھینچتے ہیں
یہ ایذا ہے فرقت کی کہتی تھی صغرا — کہ رگ رگ سے جس طرح جاں کھینچتے ہیں
قدم بیڑیوں میں ہیں رسّی میں بازو — یہ دُکھ عابدِ ناتواں کھینچتے ہیں
تپِ غم کی شدّت سے کہتے تھے عابد — عجب سختیاں اُستخواں کھینچتے ہیں
سبک باریٔ امتِ بد کی خاطر — ضعیفی میں بارِ گراں کھینچتے ہیں
لکھیں کس طرح ناتوانیٔ عابدؑ — جو بیتیں پے امتحاں کھینچتے ہیں
قلم یوں ہے کاغذ پہ تھم تھم کے چلتا — قدم جس طرح ناتواں کھینچتے ہیں
کہا رو کے اکبر نے اے درد تھم جا — کلیجے سے بابا سناں کھینچتے ہیں
دکھا دوں زمینِ نجف کی بلندی — بہت آپ کو آسماں کھینچتے ہیں
انیسؔ اس زمیں میں بہت کم ہے وسعت — کُمیتِ قلم کی عناں کھینچتے ہیں

(۳۵)

نمُود و بُود کو عاقل حباب سمجھے ہیں — وہ جاگتے ہیں جو دُنیا کو خواب سمجھے ہیں
نبیؐ کا عزّ و شرف بوتراب سمجھے ہیں — علیؑ کی قدر رسالت مآب سمجھے ہیں

علی کا رتبہ اعلیٰ کوئی نہیں سمجھا — خدا کے بعد رسالت مآب سمجھے ہیں
کبھی برا نہیں جانا کسی کو اپنے سوا — ہر ایک ذرّے کو ہم آفتاب سمجھے ہیں
کریم مجھ کو عطا کر وہ فقر دنیا میں — کہ جس کو فخر رسالت مآب سمجھے ہیں
بھگو کے کھاتے ہیں پانی میں نانِ خشک کو وہ — اس آبرو کو جو موتی کی آب سمجھے ہیں
ارے نہ آئیو دنیائے دوں کے دھوکے میں — سراب ہے یہ جسے موجِ آب سمجھے ہیں
زمانہ ایک طرح پر کبھی نہیں رہتا — اسی کو اہلِ جہاں انقلاب سمجھے ہیں
یہ اشکِ تاک ہے کہتے ہیں جس کو آبِ طرب — یہ خونِ گل ہے جسے سب گلاب سمجھے ہیں
شباب کھو کے بھی غفلت وہی ہے پیری میں — سحر کی نیند کو بھی شب کا خواب سمجھے ہیں
ابوتراب کے در کا ہے ذرّۂ بے قدر — ہم آسماں پہ جسے آفتاب سمجھے ہیں
کہاں یہ مشکِ ختن اور کہاں حسین کی زلف — یہ مو شگاف خطا کو صواب سمجھے ہیں
عجب نہیں ہے جو شیشوں میں بھر کے لے جائیں — ان آنسوؤں کو فرشتے گلاب سمجھے ہیں
جھکا ئیں سر کو نہ کیونکر عراق کے فصحا — سوالِ شاہ کو سب لاجواب سمجھے ہیں
صدا یہ دھوپ میں آتی تھی شہ کے لاشے سے — کہ سہل ہم تپشِ آفتاب سمجھے ہیں
خدا کی راہ میں ایذا سے جن کو الفت ہے — زمینِ گرم کو وہ فرشِ خواب سمجھے ہیں
حسین پیاس میں منہ کھولتے ہیں ذبح کے وقت — چمک کو خنجرِ قاتل کی آب سمجھے ہیں
انیس مخمل و دیبا سے کیا غریبوں کو — اسی زمین کو ہم فرشِ خواب سمجھے ہیں

(۳۶)

رنجِ دنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں — جز غمِ آلِ عبا ہم اور غم رکھتے نہیں

کربلا پہنچے زیارت کی ہمیں پروا ہے کیا — اب ارم بھی ہاتھ آئے تو قدم رکھتے نہیں

صورتِ محراب خم ہو کر بصد عجز و نیاز — سر نہ رکھیں گر تو منبر پر قدم رکھتے نہیں

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے — سر جہاں رکھتے ہیں سب ہم واں قدم رکھتے نہیں

دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے اُن کے سر — آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں

جو سخی ہیں مالِ دُنیا سے ہیں خالی ان کے ہاتھ — اہلِ دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہیں

جو مقرر ہے وہ ملتا ہے تری سرکار سے — ہم ہیں صابر کچھ خیالِ بیش و کم رکھتے نہیں

ایک کشکولِ توکّل ایک نقدِ جاں ہے پاس — ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں

نقدِ جاں تک دیجے ہم جاتے ہیں یاں سے وقتِ کوچ — عاریت جو شے ہو اس کو پاس ہم رکھتے نہیں

یہ دوات و خامہ ہے ملکِ فصاحت کا نشاں — ق — کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں

زور سے اس کے لیا ہے ہم نے میدانِ سخن — اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں

کہتے تھے اعدا کہ بچے بھی علی کے شیر ہیں — جب بڑھاتے ہیں تو پھر پیچھے قدم رکھتے نہیں

کہتی تھیں رانڈیں کسے لوٹو گے آ کر ظالمو — ق — سیم و زر شبیر کے اہلِ حرم رکھتے نہیں

فقر و فاقہ میں ہمیشہ ہو گئی سب کی بسر — ان رداؤں کے سوا کچھ اور ہم رکھتے نہیں

یہ مکاں محبوبِ حق کا ہے نہ آنا اس طرف — بے اجازت یاں ملائک بھی قدم رکھتے نہیں

چادریں جب چھینیں رانڈوں کی تو عابد نے کہا — کچھ حیا و شرم یہ اہلِ ستم رکھتے نہیں

کہتے تھے سجاد کھینچ سکتی نہ تھیں جب بیڑیاں — کیا کریں اس بوجھ کی طاقت قدم رکھتے نہیں

مرثیہ اک دن میں کیا اب کہہ کے اُٹھو گے انیس
ہاتھ سے کیوں آج قرطاس و قلم رکھتے نہیں

(۳۷)

شبیر کے غم میں رو رہے ہیں ‌ ‌ منہ آبِ گُہر سے دھو رہے ہیں
گندم گن دم سے جَو سے جَو ہے ‌ ‌ کاٹیں گے وہی جو بو رہے ہیں
بے رنج ہیں خفتگانِ مرقد ‌ ‌ کیسی راحت سے سو رہے ہیں
بے آب ہے شہ کو تیسرا دن ‌ ‌ اعدا سیراب ہو رہے ہیں
بیڑا اُمّت کا تھامنے کو ‌ ‌ اپنی کشتی ڈبو رہے ہیں
اکبر سے پسر کو دی ہے رُخصت ‌ ‌ اپنی دولت کو کھو رہے ہیں
محبوبِ خدا کے تن کے کپڑے ‌ ‌ اعدا خون میں ڈبو رہے ہیں
روتے نہیں بزم میں گنہگار ‌ ‌ فردِ عصیاں کو دھو رہے ہیں
ہے سلکِ گُہر یہ رشتۂ نظم ‌ ‌ کیا کیا موتی پرو رہے ہیں
بہتا ہے انیسؔ خونِ انصاف ‌ ‌ مضموں مرے قتل ہو رہے ہیں

(۳۸)

السّلام اے لحدِ اقدس و اعلائے حسین ‌ ‌ مہبطِ نورِ خدا طورِ تجلّائے حسین
مرکزِ دائرۂ دیں شرفِ کون و مکاں ‌ ‌ قبلۂ عالمیاں منزل و ماوائے حسین
لوحِ قرآنِ مبیں آئینۂ صدق و صفا ‌ ‌ ذُوالعطا عرشِ خدا خاکِ کفِ پائے حسین
عرش سے آکے ملک ہوتے ہیں مجلس میں شریک ‌ ‌ اے خوشا مرتبۂ بزمِ معلّائے حسین
یہی بخشش کا وسیلہ ہے یہی راہِ نجات ‌ ‌ فرض ہے امّتِ احمد پہ تولّائے حسین
مالکِ نور تھے دنیا میں سدا مثلِ علی ‌ ‌ پارۂ نان و نمک تھا من و سلوائے حسین

کونسی چشم ہے جاری نہیں جس سے آنسو
کونسا دل ہے کہ جس دل میں نہیں جائے حسین
ہند میں ہوں پہ شب و روز دُعا ہے یہ انیسؔ
قبر ہو متصلِ قبرِ معلّائے حسینؑ

(۳۹)

سدا ہے فکرِ ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو
پڑھیں درُود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو
خیالِ صنعتِ صانع ہے پاک بینوں کو
لحد میں سوتے ہیں چھوڑا ہے شہ نشینوں کو
قضا کہاں سے کہاں لے گئی مکینوں کو
بشر کو چاہیے دنیا میں اس کے حُسن سے عشق
کہ جس نے خلق میں پیدا کیا حسینوں کو
یہ جھرّیاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری نے
چُنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو
لگا رہا ہوں مضامینِ نَو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو
بھلا تردّدِ بیجا سے اس میں کیا حاصل
اُٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو
مزا یہ طرفہ ہے مضموں تو دستیاب نہیں
مقابلے پہ چڑھائے ہیں آستینوں کو
غلط یہ لفظ وہ بندش بُری یہ مضموں سُست
ہنرِ عجیب ملا ہے یہ نکتہ چینوں کو
دہانِ کیسۂ زر بند رکھ پرائے منعم
خدا کے واسطے وا کر جبیں کی چینوں کو
یہ غل تھا مہرِ نبوّت پہ جب چڑھے حسینؑ
جڑا ہے ایک انگوٹھی پہ دو نگینوں کو
بجا ہے اس لئے اکبر سے تھا حسین کو عشق
کہ دوست رکھتا ہے اللہ بھی حسینوں کو
فلک پہ جب ہوئی آوازِ ار کبو دمِ صبح
تو غازیوں نے رکھا مرکبوں پہ زینوں کو
علم لئے ہوئے عبّاس نکلے خیمے سے
چڑھا لیا علی اکبر نے آستینوں کو
حسین جاتے ہیں بہرِ نبرد میداں میں
چڑھائے مثلِ یدُ اللہ آستینوں کو

دگا و غا میں ٹپکنے لہو جو قبضے سے
چڑھا لیا شہ والا نے آستینوں کو

غضب ہے اہلِ ستم جائیں اس میں دڑانہ
جس آستاں پہ ملائک رکھیں جبینوں کو

نظر میں پھرتی ہے وہ تیرگی وہ تنہائی
لحد کی خاک ہے سُرمہ مآل بینوں کو

خیالِ خاطرِ احباب چاہیئے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

(۴۰)

سلامی کہتے تھے اعدا اُڑ لاؤ زینب کو
سرِ حسین سناں پر دکھاؤ زینب کو

جلا کے خاک کرو جلد خیمہ ہائے حسین
برہنہ سر سرِ اُشتر بٹھاؤ زینب کو

حسین امام کو جس سے کیا ہے رن میں شہید
وہ خوں بھرا ہوا خنجر دکھاؤ زینب کو

نہ نکلے دخترِ زہرا جو خیمے سے باہر
پکڑ کے ہاتھ ابھی کھینچ لاؤ زینب کو

ردا جو آپ سے دیوے نہ دخترِ زہرا
برہنہ تیغ دکھا کر ڈراؤ زینب کو

حسین جیتا نہیں جو حمایت اس کی کرے
ستایا ہے جہاں تک ستاؤ زینب کو

پکڑ کے لائے ہیں خیبر شکن کی بیٹی کو
یہ کہہ کے شام میں در در پھراؤ زینب کو

وہ بنتِ فاطمہ افسوس جس کے حق میں حسین
ق حرم سے کہتے تھے سمجھا کے لاؤ زینب کو

ہمارا نام لو بیٹوں کو گر وہ روتی ہو
اُٹھا بٹھاؤ اگر غش میں پاؤ زینب کو

برہنہ سر جو پڑی خاک پر تڑپتی ہو
ردائے حضرتِ زہرا اُڑھاؤ زینب کو

جو بنتِ فاطمہ کو ڈھونڈیں لوٹنے والے
تمہیں یہ چاہیئے اس دم بچاؤ زینب کو

ہمارے پیچھے نہ میداں میں وہ چلی آوے
حسین جاتا ہے مرنے چھپاؤ زینب کو

سر اپنا پیٹ کے مر جائے گی بہن میری
دکھائیو نہ مرے تن کے گھاؤ زینب کو

صدائے فاطمہ آئی کہ اے مرے شبیرؑ ترپ رہی ہے گلے سے لگاؤ زینب کو

امام ہوتے تھے زخمی تو کہتے تھے اعدا ق جو خیمے سے نکل آئے ہٹاؤ زینب کو

وہ کہتی تھی درِ خیمہ پہ بھائی کے بدلے خدا کے واسطے نیزے لگاؤ زینب کو

دیا یزید نے جلّاد کو یہ طیش میں حکم بہ ظلم قتل کرو جلد جاؤ زینب کو

پکارے اہلِ حرم رو کے یا شہِ مرداں یہی ہے وقت مدد کا بچاؤ زینب کو

حسینؑ زخمی ہوئے جب بہت تو دل میں کہا پھر ایک بار چلو دیکھ آؤ زینب کو

لپٹ کے لاشۂ شہ سے یہ بولی بنتِ علی ق خدا کے واسطے بھیّا بلاؤ زینب کو

بہن کے جینے کا دُنیا میں اب مزا نہ رہا پدر سے نانا سے ماں سے ملاؤ زینب کو

گلا کٹا نے دیا کیوں نہ اپنے بدلے مجھے میں تم سے رُوٹھ گئی ہوں مناؤ زینب کو

جب آئی کوفے کے بازار میں تو چلّائی علی کی قبر کا رستہ بتاؤ زینب کو

اُترنے پائی نہ جب اُونٹ سے تو رو کے کہا تم آکے قبر سے بابا چھڑاؤ زینب کو

کہا یزید نے جب شمر سے سرِ دربار ق کدھر ہے دخترِ زہرا دکھاؤ زینب کو

چھپا کے ہاتھوں سے منہ کو یہ بولی شہ کی بہن خدا کے واسطے لوگو چھپاؤ زینب کو

لپٹ کے بھائی کی تُربت سے بولی وہ رو رو نہ جاؤں گی میں یہیں چھوڑ جاؤ زینب کو

میں ایک دن کبھی جس بھائی سے جدا نہ ہوئی مزار سے تو نہ اس کے چھڑاؤ زینب کو

انیسؔ اہلِ حرم میں بپا ہوا محشر کہا جو حاکمِ اظلم نے لاؤ زینب کو

۱۴

مجرائی فوج یوں تھی شہِ کربلا کے ساتھ ہو جس طرح سے لشکرِ آمیں دعا کے ساتھ

مجرائی ہے نذر و رُدعا بھی دوا کے ساتھ ۔ آبِ حیات چاہئے خاکِ شفا کے ساتھ
افلاک سے عیادتِ بیمار کے لئے ۔ آئے مسیح صرہ خاکِ شفا کے ساتھ
گردش عجب ہے کنج قناعت میں بیٹھ رہ ۔ رازق نے رزق خلق کیا آ سیا کے ساتھ
بنتے ہیں مومنو گہر بے بہا وہ اشک ۔ مجلس میں جب ہو گریۂ خالص بکا کے ساتھ
یا اِس طرف سے روتے ہیں جو بیوقوف ہیں ۔ مردودِ کبریا ہے عبادت ریا کے ساتھ
ہمراہ آہِ سرد رہیں اشکِ گرم بھی ۔ بارش کا لطف خوب ہے ٹھنڈی ہوا کے ساتھ
یوں آہیں کرکے ہم نے جوانی میں کاٹی عمر ۔ جس طرح پیر راہ کرے طے عصا کے ساتھ
اے رُوح کوچ خانۂ تن سے ضرور ہے ۔ اُلفت نہ اتنی چاہیئے مہماں سرا کے ساتھ
یوں نُور تھا رسول کا آدم کے صلب میں ۔ ہوتی ہے جس طرح سے خبر مبتدا کے ساتھ
واجب ہے بعدِ نعتِ محمد علی کی مدح ۔ غافل نہ ہو وزیر بھی ہے بادشا کے ساتھ
کیا باک موجِ بحر سے طوفاں سے کیا خطر ۔ کشتی مری حسین سے ہے نا خدا کے ساتھ
ہے شاہدِ شکستگیٔ دل ہر اک سخن ۔ کھلتا ہے حالِ کاسۂ چینی صدا کے ساتھ
کیوں چرخ پیر پھر کہیں دیکھے ہیں آج تک ۔ جیسے حسیں جواں تھے شہِ کربلا کے ساتھ
نانی ٹھنڈائی لاتی تو کہتی تھی فاطمہؑ ق ۔ صحت گئی جہاں سے شہِ کربلا کے ساتھ
جب زندگی ہو تلخ تو جینے کا کیا مزا ۔ مجھ کو تو کوئی زہر پلا دے دوا کے ساتھ
آیا جو رن میں حُر تو پکارا یہ ابنِ سعد ق ۔ ہوتا ہے کیوں تباہ شہِ کربلا کے ساتھ
حُر نے کہا کہ دُور ہو او دشمنِ خُدا ۔ تو مفتری کے ساتھ ہے میں مقتدا کے ساتھ
آتا ہے وہ بھلا کبھی سائے میں بوم کے ۔ پایا ہو جس نے اوجِ سعادت ہما کے ساتھ

وہ پہنچا دیا کہاں سے کہاں خضرِ بخت نے
جاتا ہوں اب بہشت میں فوجِ خدا کے ساتھ

بہکا نہ تو مجھے کہ نہ چھوڑوں گا راہِ راست
رستہ کوئی بھی بھولتا ہے رہنما کے ساتھ

کہتی تھی ہاتھ مل کے سکینہ کہ ہے غضب
دریا پہ کیوں چلی نہ گئی میں چچا کے ساتھ

رانڈوں کے منہ چھپانے کو چھینیں نہ چادریں
کیا دشمنی تھی شمر کو آلِ عبا کے ساتھ

چادر چھنی تو بنتِ یدُاللہ نے کہا
اے جان تو بھی تن سے نکل جا ردا کے ساتھ

اللہ ری ناتوانیِ سجادؑ راہ میں
ایک اک قدم پہ بیٹھ گئے نقشِ پا کے ساتھ

مدحِ حسین کی تو ملا گلشنِ بہشت
پایا سخی کے گھر سے صلہ بھی ثنا کے ساتھ

روضے پہ جیتے جی جو نہ پہنچے تو بعدِ مرگ
جائے گی خاک اُڑ کے ہماری ہوا کے ساتھ

ہم مر گئے خلیق کے مرنے سے اے انیسؔ
جینے کا لطف اُٹھ گیا اس باخدا کے ساتھ

(۴۲)

سر تھے نیزوں پہ سلامی سرِ شبیرؑ کے ساتھ
بیبیاں قید میں تھیں زینبِ دلگیر کے ساتھ

فوج سے شمر و عمر کہتے تھے ہشیار رہو
ہیں جوانانِ عرب حضرتِ شبیر کے ساتھ

رن میں اس درد سے مظلومی بیاں کی شہ نے
رو دیا ظالموں نے شاہ کی تقریر کے ساتھ

پیشوائی کے لئے آئے نبی جنت سے
حُر گیا خلد میں کس عزت و توقیر کے ساتھ

نکلے شہ خیمے سے تنہا تو پکاری زینب
آج مرنے کوئی جاتا نہیں شبیر کے ساتھ

شہ نے سینے سے جو کھینچا تو یہ بولے قاسم
نکلا آتا ہے کلیجہ بھی مرا تیر کے ساتھ

شہ نے عباس کا اک ہاتھ علم پر پایا
دوسرا ہاتھ ملا قبضۂ شمشیر کے ساتھ

کہا صغرا نے کہ یہ بھی مری قسمت کا لکھا
سب تو ہوں میں ہی نہ ہوں حضرتِ شبیر کے ساتھ

بانو کہتی تھی کہ پیتے تھے مزے لے لے کر — کیا محبت تمھیں اصغر تھی مرے شیر کے ساتھ
طوق بھاری ہے یہ اعدا سے کہا عابد نے — تھامنے والے چلیں طوقِ گلوگیر کے ساتھ
کیا عابد نے سرِ شاہ سے رو کر یہ بیاں — ق قید ہو کر ہوں چلا لشکرِ بے پیر کے ساتھ
آپ کے ساتھ گئے بھائی چچا مارے سب — کوئی ہمدرد نہیں عابدِ دلگیر کے ساتھ
حق تعالیٰ سے یہی میری تمنا ہے انیسؔ — حشر کے دن بھی ہوں میں حضرت شبیرؑ کے ساتھ

(۴۳)

گنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اُٹھا کے چلے — خدا کے آگے خجالت سے سر جھکا کے چلے
مقام یوں ہوا اس کارگاہِ دُنیا میں — کہ جیسے دن کو مسافر سرا میں آ کے چلے
طلب سے عار ہے اللہ کے فقیروں کو — کبھی جو ہو گیا پھیرا صدا لگا کے چلے
ملا جنہیں انھیں اُفتادگی سے اوج ملا — اُنہیں نے کھائی ہی ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے
رہی غرور سے نفرت خجستہ کاروں کو — قلم کی طرح چلے جب تو سر جھکا کے چلے
کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی — چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے
خرامِ اسپِ شہِ دیں سے دینگے ہم تشبیہ — کہاں ہے کبک ذرا چال تو بنا کے چلے
ملک پکارے کہ اُلٹا زمین کا طبقہ — حسین فوج پہ جب آستیں چڑھا کے چلے
حسین کہتے تھے وا حسرتا علی اکبر — بہارِ باغِ جوانی ہمیں دکھا کے چلے
خیال آ گیا دُنیا کی بے ثباتی کا — چلے جہاں سے جو اصغر تو مسکرا کے چلے
ملی نہ پھولوں کی چادر تو اہلبیت امام — مزارِ شاہ پہ لختِ جگر چڑھا کے چلے
چلے وطن کو جو عابد تو یہ کہا رو کر — علی کے چاند کو ہم خاک میں ملا کے چلے

تمام عمر جو کی سب نے بے رُخی ہم سے
کفن میں ہم بھی عزیزوں سے منہ چھپا کے چلے

انیسؔ دم کا بھروسا نہیں زمانے میں
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

(۴۴)

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے
اُڑ گیا جب رنگ رخ سے استخواں پیدا ہوئے

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں
اس زمیں سے واہ کیا کیا آسماں پیدا ہوئے

نوبتِ جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

جو عدم سے آ گیا دُنیا میں بولی ہنس کے موت
اور دو دو چار دن کے میہماں پیدا ہوئے

علم خالق کا خزانہ ہے میانِ کاف و نون
ایک کُن کہنے سے یہ کون و مکاں پیدا ہوئے

ہاتھ خالی آئی لاشوں پر شہیدوں کے نسیم
پھول بھی اس فصل میں ایسے گراں پیدا ہوئے

ضبط دیکھو سب کی سُن لی پر نہ کچھ اپنی کہی
اس زباں دانی پہ گویا بے زباں پیدا ہوئے

جان دی حُر نے تو حضرت نے دیا باغِ ارم
میہماں ایسے نہ ایسے میزباں پیدا ہوئے

بو دو نابو دعلی اصغر کا کیجے کیا بیاں
بیزباں دنیا سے اُٹھے بیزباں پیدا ہوئے

دیکھ کر لاشوں کو حضرت کہتے تھے وا غربتا
موت لے آئی کہاں ان کو کہاں پیدا ہوئے

یک بیک ایسا زمانے میں ہوا ہے انقلاب
قدرداں سب اٹھ گئے ناقدرداں پیدا ہوئے

احتیاطِ جسم کیا انجام کو سوچو انیسؔ
خاک ہونے کو یہ مشتِ استخواں پیدا ہوئے

(۴۵)

بین لے مجرئی قاسم کی دولہن کیا جانے
بیاہی اک شب کی رنڈاپے کا چلن کیا جانے

دم جو گھٹتا تھا تو کہتی تھی یہ گھبرا کر
کیوں مجھے چھوڑ گئے ابنِ حسن کیا جانے

رات کو بیاہ ہوا صبح کو کٹوایا گلا
لطف شادی کا بھلا ابنِ حسن کیا جانے

چین رستے میں نہ ملتا تو یہ فرماتے تھے شاہؑ
ہم سا غربت زدہ آرامِ وطن کیا جانے

ردِ دعوت نہیں کرنے کا پسر زہرا کا
اس عداوت کو وہ سلطانِ زمن کیا جانے

شہ نے ملبوس جو مانگا تو یہ زینبؑ نے کہا
ق زیبِ تن ہوتا ہے کیوں رختِ کہن کیا جانے

بولے شہ پانی تو ملنا نہیں مرنے کے بھی بعد
کوئی دے گا کہ نہ دیوے گا کفن کیا جانے

قتل کے وقت یہی کہتے تھے دل سے مسلمؑ
کیا کریں شاہ سے یہ عہد شکن کیا جانے

کہتی تھی پیاس کی شدت میں سکینہ رو رو
ہوگا تر پانی سے کب خشک دہن کیا جانے

زخمی شبیرؑ نے اکبر کو جو دیکھا تو کہا
ٹکڑے کب تیغوں سے ہوگا مرا تن کیا جانے

داغِ اصغر کا کوئی بانو کے دل سے پوچھے
چھد گیا کس کا جگر تیر فگن کیا جانے

تیر کے درد کو کیا باپ سے کہتا اصغر
بے زباں ہوئے جو بچہ وہ سخن کیا جانے

اہل کیں کہتے تھے ہنس ہنس کے ہیں مرنے جاتے
کیا جگر رکھتے ہیں ہفتاد و دو تن کیا جانے

کہا زینب نے کہ شبیر سا بھائی نہ رہا
کیوں سلامت رہی دنیا میں بہن کیا جانے

لاشِ شبیرؑ پہ زہرا نے کہا رو رو کر
قبلہ رُو خاک پہ کس کا ہے یہ تن کیا جانے

لاشِ شبیرؑ سے آتی تھی صدا مقتل میں
کب میسر ہمیں ہوئے گا کفن کیا جانے

دم جو گھٹتا تو یہ کہتی تھی سکینہ رو رو
کب کھلے گی مری گردن سے رسن کیا جانے

قیدِ زنداں کی سکینہ متحمل نہ ہوئی
نازپروردہ غم و رنج و محن کیا جانے

عمر بھر دیکھی نہ جس نے غل و زنجیر کی شکل
وہ بھلا سلسلۂ طوق و رسن کیا جانے

ظلم جب ہوتے تو فرماتے تھے سجادِ حزیں
ہم سے برگشتہ ہے کیوں چرخِ کہن کیا جانے

باغ چلنے کو کوئی کہتا تو کہتے سجاد　　مرغِ بے بال بھلا سیرِ چمن کیا جانے
کس طرح قدر تجھے اپنے سخن کی ہو انیسؔ　　مرتبہ مشک کا آہوئے ختن کیا جانے

(۴۶)

غمِ حسین میں رو مجرئی ثواب یہ ہے　　سمجھ نہ اشک کو اشک اب دُرِ خوش آب یہ ہے
لحد میں دیکھیو داغِ غمِ حسینؑ کی ضو　　زوال جس کو نہیں ہے وہ آفتاب یہ ہے
رسُول کہتے تھے بازو پکڑ کے حیدر کا　ق　خزینہ علم کا تو میں ہوں اور باب یہ ہے
جسے پہنچنا ہو مجھ تک وہ اس سے راہ کرے　　خطا کے اور ہیں رستے رہِ صواب یہ ہے
حسین کہتے تھے کیونکر رکھوں نہ حُر کو عزیز　　خدا گواہ کہ لاکھوں میں انتخاب یہ ہے
امام کہتے تھے مہماں تھا حُر مگر افسوس　　ضیافت اس کی نہ کچھ ہو سکی حجاب یہ ہے
رگڑ کے ایڑیاں قاسم نے وقتِ نزع کہا　　عدم کے ہیں سفری اپنا پا تراب یہ ہے
بنے کی لاش پہ روئی پکار کر نہ بنی　　حیا و شرم اسے کہتے ہیں اور حجاب یہ ہے
زمیں کو جھاڑ کے بالوں سے کہتی تھی زہرا　　چبھے نہ کچھ مرے بچے کا فرشِ خواب یہ ہے
سوالِ خط کیا قاصد نے جب تو شہ نے کہا　　جوابِ زیست نے ہم کو دیا جواب یہ ہے
سوالِ آب جو کرتے تھے شہ تو دشمنِ دیں　　لگا کے تیرِ ستم کہتے تھے جواب یہ ہے
ملا نہ مالکِ کوثر کو ایک قطرۂ آب　　ہنوز خلق میں دریا کو پیچ و تاب یہ ہے
ملک یہ کہتے تھے گردوں پہ وقتِ قتلِ حسینؑ　ق　جفا و جور یہ سب ظلم بے حساب یہ ہے
سوارِ دوشِ رسُولِ خدا کی چھاتی پہ　　چڑھا ہے شمر زمانے کا انقلاب یہ ہے
صفائی حُسن کی اکبر کے دیکھ بولے عدو　ق　نگہ ٹھہرتی نہیں رُخ پہ آب و تاب یہ ہے

نہ سمجھو نقطۂ خالِ سیاہ ابرو پر — کتابِ حسن کی اک بیتِ انتخاب یہ ہے
دمِ نبرد ندا شہ کو چرخ سے آئی — کدھر خیال ہے کس فوج پر عتاب یہ ہے
حسین ضرب ہے تیری ہمارے ہاتھ کی ضرب — علی کے لال سے سر بر ہو کس کی تاب یہ ہے
لگا کے خونِ جبیں ریش پر کہا شہ نے — جہاں سے جاتے ہیں ہم آخری خضاب یہ ہے
دکھا کے حاکمِ کوفہ کو شمر کہنے لگا — بہن حسین کی زینب جگر کباب یہ ہے
پدر کو کھو کے پھر از ندہ کہتے تھے سجاد — کہیں گے کیا مجھے اہلِ وطن حجاب یہ ہے
یزید تخت کے اُوپر اور تلے سرِ شاہ — انیسؔ دیکھ زمانے کا انقلاب یہ ہے

(۴۷)

سلامی چشم سے رہ رہ کے خونِ دل ٹپکتا ہے — غمِ سجادِ بیکس دل میں کانٹا سا کھٹکتا ہے
سلامی چشم میں آنسو ہیں یا دریا چھلکتا ہے — جگر میں داغ ہیں یا باغ لالے کا لہکتا ہے
دمِ تحریر گل ریزی ہے یا سطریں ہیں کاغذ پر — صریرِ کلک ہے یا باغ میں بلبل چہکتا ہے
پھرے تھے کربلا کی راہ سے کچھ سوچ کر حضرت — دگر نہ رہبرِ عالم کہیں رستہ بھٹکتا ہے
حرم رونے کہا جب آسماں کو دیکھ کر شہ نے — علی اکبر اذاں دو صبح کا تارا چمکتا ہے
کہا صغرا نے شاید میرے بابا جان پیاسے ہیں — گلے میں ساتویں تاریخ سے پانی اٹکتا ہے
زمینِ کربلا پر فاطمہؑ کے پھول بکھرے ہیں — شہیدوں کی یہ خوشبو ہے کہ سب جنگل مہکتا ہے
شہِ دیں دیکھتے ہیں شوقِ حُر میں یوں سوئے میداں — کہ جیسے کوئی آنے کی کسی کے راہ تکتا ہے
علی اکبر طلب کرتے ہیں رخصت کوئی کیا جانے — لگی ہے غم سے ہچکی ماں کو اور زینب کو سکتا ہے
گلِ زہرا کے غم میں نوحہ خواں ہیں بلبلیں سا ری — صدا فریاد کی آتی ہے جب غنچہ چٹکتا ہے

وہاں بٹتا تھا غلہ قحط ہے یاں آب و دانے کا
اِدھر فاقہ ہے اور کھانا اُدھر لشکر میں بٹتا ہے

وغا میں حضرتِ عباس یوں جاتے ہیں دشمن پر
گرسنہ شیر جیسے جانبِ آہو لپکتا ہے

یہ غل تھا شام کے لشکر میں دیکھو شہ کی پیشانی
نشاں سجدے کا ہے یا صبح کا تارا چمکتا ہے

بہو زہرا کی کہتی تھی یہی جا جا کے ڈیوڑھی پر
ارے پانی کوئی لا دو مرا بچہ بلکتا ہے

تنِ رنجور پر ہاتھ اپنا زینب رکھ نہیں سکتی
تپِ غم سے بدن سجاد کا ایسا دہکتا ہے

کہا بانو نے شہ سے تیر چلتے ہیں کلیجے پر ق
مرا منہ جب یہ بچہ نرگسی آنکھوں سے تکتا ہے

یہ ننھے ننھے دونوں ہاتھ بل کھاتے ہیں تکیوں پر
مسوڑے ہو گئے ہیں نیلگوں تالو لپکتا ہے

بچالو واسطہ زہرا کا صاحب پیارے اصغر کو
یہ بچہ دودھ پیتا ہے نہ آنکھیں جھپکتا ہے

صراحی دار یہ گردن ڈھلی جاتی ہے بن پانی
گلے میں سانس جب رکتی ہے سر دے دے پٹکتا ہے

سکینہ ناز پرور قید کی آفت کو کیا جانے
یہ عالم ہے قفس میں جس طرح طائر پھڑکتا ہے

اندھیرے میں جو گھبراتا ہے دم ایامِ گرما میں
ہر اک بچہ درِ زنداں پہ سر دے دے پٹکتا ہے

انیس اللہ تجھ پر سہل کر دے قبر کی منزل
لحد کا دھیان جب آتا ہے کیا کیا دل پھڑکتا ہے

(۴۸)

کوئی انیس کوئی آشنا نہیں رکھتے
کسی کی آس بغیر از خدا نہیں رکھتے

کسی کو کیا جو دلوں کی شکستگی کی خبر
کہ ٹوٹنے میں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے

قناعت از گہرِ آبرو و دولتِ دیں
ہم اپنے کیسۂ خالی میں کیا نہیں رکھتے

ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیرِ منتِ خلق
وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے

نقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے
کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے

وہ لوگ کون سے ہیں اے خدائے کون و مکاں — سخن سے کان کو جو آشنا نہیں رکھتے
سوائے کوثر و تسنیم و خلد و باغِ بہشت — یہ اشک ہیں وہ گہر جو بہا نہیں رکھتے
فشارِ قبر کا ڈر ہو تو ان کو ہو جو لوگ — کفن میں صرّۂ خاکِ شفا نہیں رکھتے
ابوتراب سے جو پیشوا کے پیرو ہیں — قدم بھی خاک پہ وہ بے رضا نہیں رکھتے
یہ غُل تھا دیکھ کے رخسارۂ علی اکبر — فلک پہ شمس و قمر یہ ضیا نہیں رکھتے
حسین کہتے تھے سونے کو پاؤں پھیلا کر — سوائے قبر کوئی اور جا نہیں رکھتے
نہ روئے بیٹوں کے غم میں حسین واہ رے صبر — یہ داغ ہوش بشر کے بجا نہیں رکھتے
حسین تیغوں کے آگے سے کس طرح ہٹتے — بڑھا کے پیچھے قدم پیشوا نہیں رکھتے
جہازِ آلِ نبی کیا بچے تباہی سے — تلاطم ایسا ہے اور نا خدا نہیں رکھتے
گلوئے اصغرِ معصوم و تیر واویلا — یہ ظلم وہ ہیں کہ جو انتہا نہیں رکھتے
شہادتِ پسرِ فاطمہ کا ہے یہ الم — کہ تابِ ضبط رسولِ خدا نہیں رکھتے
فقط حسین پہ یہ تفرقہ پڑا ورنہ — کسی کی لاش کو سر سے جدا نہیں رکھتے
خدا نے آیۂ تطہیر جن کو بھیجا تھا — وہ پردہ دار سروں پر ردا نہیں رکھتے
نہ لوٹو آلِ محمد کو کہتی تھی فضّہ — نبی کی روح سے بھی تم حیا نہیں رکھتے
سکینہ کہتی تھی کیونکر نہ دم گھٹے امّاں — وہاں ہیں بند جو حجرے ہوا نہیں رکھتے
غش آیا راہ میں جس دم تو کہتے تھے سجاد — ق — وہ درد ہیں جو امیدِ شفا نہیں رکھتے
تپ درد دل غمِ فرقت ورم پیادہ روی — مرض تو اتنے ہیں اور کچھ دوا نہیں رکھتے
غمِ حسین کے داغوں سے دل کرو روشن — ق — خبر لحد کے اندھیرے کی کیا نہیں رکھتے

مسافرو شبِ اول بہت ہے تیرہ و تار چراغ قبر ابھی سے جلا نہیں رکھتے
انیسؔ بیچ کے جان اپنی ہند سے نکلو جو توشۂ سفرِ کربلا نہیں رکھتے

(۴۹)

مثالِ بدر جو حاصل ہوا کمال مجھے گھٹا گھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھے
کمال شوقِ زیارت ہے اب کی سال مجھے ق کریم ہند کی ظلمت سے اب نکال مجھے
اجل قریب ہے جلدی نجف میں پہنچا دے بس اے نصیب نہ اگلے برس پہ ٹال مجھے
برنگِ سبزۂ بیگانہ باغِ دہر میں تھا ترے سحابِ کرم نے کیا نہال مجھے
جو خضرِ بخت مجھے کربلا میں پہنچا دے نہ آئے خواب میں بھی ہند کا خیال مجھے
کریم جو تجھے دینا ہو بے طلب دے دے فقیر ہوں پہ نہیں عادتِ سوال مجھے
کسی کے سامنے کیوں جا کے ہاتھ پھیلاؤں مرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے
فلک میں سبزۂ بیگانہ اس چمن میں نہیں یہ کیا روش ہے کہ کرتا ہے پائمال مجھے
کبھی خوشی سے جو دنیا میں اک دم گذرا وہ صدمہ کش ہوں کہ برسوں رہا ملال مجھے
یہ الفتیں بھی ہیں دنیا میں یادگار لے مرگ مرا خیال تجھے اور ترا خیال مجھے
نگاہ نامۂ اعمال پر جو کی پسِ مرگ گناہگار نظر آیا بال بال مجھے
پھڑک پھڑک کے مروں گا وہ نیم بسمل ہوں فلک نے کند چھری سے کیا حلال مجھے
لہو بدن کا عرق ہو کے بہہ گیا سارا ہوا یہ اپنے گناہوں سے انفعال مجھے
تری مدد کا فقط یا علی بھروسا ہے کسی کی آس نہیں وقتِ انتقال مجھے
یہ فخر ہو کہ ملی بادشاہی دنیا کی غلام سمجھیں اگر قنبر و بلال مجھے

غمِ حسین میں کہتا ہے زخمِ دل ہر دم
لہو جگر کا بہے گر ہو اندمال مجھے

بھلا میں دوں تنِ اکبر سے کس طرح تشبیہ
چمن میں سرو دکھائے تو اپنی چال مجھے

حسین کہتے تھے اک ذوالفقار کافی ہے
نبرد میں نہ زرہ چاہیئے نہ ڈھال مجھے

جب آئیں بیٹوں کی لاشیں تو کہتی تھیں زینب ق
کہ ان کے مرنے کا مطلق نہیں ملال مجھے

فدا کروں گہرِ بے بہا نہ ہزار بار
دیئے تھے حق نے اسی واسطے یہ لال مجھے

دغا سے تیغوں کے پھل کھائے پھول سے تن پر
نہال کر گئے یہ میرے نونہال مجھے

حسین کہتے تھے پشتِ فرس سے گرتا ہوں
مدد کا وقت ہے اے بیکسی سنبھال مجھے

حسین کہتے تھے پروردگار رہیو گواہ
کہ قتل کرتے ہیں ناحق یہ بدخصال مجھے

چڑھا یہ کہہ کے جو سینے پہ شاہ کا قاتل ق
ملے گا آج بہت سا متاع و مال مجھے

پکارا خنجرِ قاتل کہ الغیاث اے شمر
نہ کر نبی کے نواسے کے خوں سے لال مجھے

جدا جو کرتے تھے اعدا مزارِ اصغر کو ق
تو بانو کہتی تھی اتنا نہ دو ملال مجھے

خدا کے واسطے مقتل میں مجھ کو رہنے دو
کہ شب کو ہو کے کے ڈھونڈے گا میرا لال مجھے

اندھیری قبر میں مشکل انیس کو ہے بہت
دکھاؤ یا علی اب چاند سا جمال مجھے

(۵۰)

جز پنجتن کسی سے تولّا نہ چاہیئے
غیر از خدا کسی کا بھروسا نہ چاہیئے

خادم امیدوارِ حضوری ہے یا حسین
چاہیں اگر حضور تو پھر کیا نہ چاہیئے

ہم خانہ زم سفر ہیں بتاؤ مسافرو
کیا اس سفر میں چاہیئے اور کیا نہ چاہیئے

اک در پہ بیٹھ گر ہے توکل کریم پر
اللہ کے فقیر کو پھیرا نہ چاہیئے

تکرار کیا ہے زندگیٔ مستعار میں — اے موت بار بار تقاضا نہ چاہیئے
راحت خدا نے دی تو کیا تو نے شکر کب — ایذا ابھی چار دن ہو تو شکوا نہ چاہیئے
کھانے کو رزق رہنے کو گھر اور لحد کو جا — دنیا میں ایک جان کو کیا کیا نہ چاہیئے
ہر اک کے واسطے ہے ترقی بقدرِ حال — اسفل کو فکرِ منصبِ اعلا نہ چاہیئے
ہر کوہ پر نہ ہوگی تجلی مثالِ طور — ہر ہاتھ کے لئے یدِ بیضا نہ چاہیئے
کہتے تھے فاطمہ سے علی گھر میں جو ہو دو — خالی کبھی فقیر کو پھیرا نہ چاہیئے
عباس گر دپھرتے تو کہتے یہ شاہِ دیں — تکلیف اتنی اے مرے شیدا نہ چاہیئے
کہتے تھے شاہ پیاس میں لذت ہی اور ہے — دریا کو آنکھ اٹھا کے بھی دیکھا نہ چاہیئے
صغرا نے شاہِ دیں کو لکھا خط تو بھیجئے — ق — گر چاہتے نہیں ہمیں اچھا نہ چاہیئے
دو بیٹیاں تو پاس ہیں اک جاں بلب بعید — میں سچ کہوں یہ آپ کو بابا نہ چاہیئے
فرقت رہی تو کونسی پھر زندگی کی شکل — بیمار پر عتاب مسیحا نہ چاہیئے
کپڑے سفید پہنے جو قاسم نے بولی ماں — ق — اتنی بھی سادگی نئے دولہا نہ چاہیئے
دولہا نے عرض کی کہ اجل ہے گلے کا ہار — چہرے پہ مرنے والوں کے سہرا نہ چاہیئے
پانی کا ذکر کرتی سکینہ تو کہتے شاہ — بی بی محال شے کی تمنا نہ چاہیئے
کہتا تھا شمر چادریں رانڈوں کی چھین لو — ایسے گناہگاروں کو پردا نہ چاہیئے
کہتی تھی فضہ شام میں بازاریو ہٹو — ق — زہرا کی بیٹیوں کا تماشا نہ چاہیئے
یہ کون بیبیاں ہیں تمہیں کچھ خبر نہیں — آلِ رسول پر ستم ایسا نہ چاہیئے
آزار تو نہ دو جو حمایت نہ ہو سکے — کیوں کلمہ گو یو چاہیئے یہ یا نہ چاہیئے

مرقد چراغ داغ سے روشن رہے انیسؔ / شب کو اکیلے گھر میں اندھیرا نہ چاہیئے

(۵۱)

گرد ہے اکسیر خاکِ کربلا کے سامنے / زر و مٹی کی حقیقت کیا طلا کے سامنے

فاصلہ کیسا اِدھر پہنچے اُدھر داخل ہوئے / کربلا جنت کے جنت کربلا کے سامنے

جسم کو اک دن فنا کر دیں گے جھونکے آہ کے / بات کیا ہے خاک اُڑا دینا ہوا کے سامنے

پردہ پوشِ عاصیاں ہے ان کا دامانِ وسیع / کیا گنہ کا ڈھانپنا آلِ عبا کے سامنے

فقر کی دولت کو کیا خالق نے بخشا ہے وقار / ہاتھ پھیلاتا ہے سلطاں بھی گدا کے سامنے

عقدۂ دل جلد حل ہوتے ہیں گھبراتا ہے کیوں / کیا گرہ کا کھولنا مشکل کشا کے سامنے

خوف کیا ہے بہرِ پرسش آئیں گر منکر نکیر / بندۂ حیدر ہوں کہہ دوں گا خدا کے سامنے

ذوالفقارِ حیدرِ صفدر سے شرماتی ہے برق / ابرِ نیساں تر ہے زہرا کی ردا کے سامنے

کہتے تھے حضرت علی اکبر کا مرنا ہے غضب / ہم نہ دُنیا سے گئے اس دلربا کے سامنے

جب سکینہ کی زباں میں پیاس سے کانٹے پڑے / سر جھکا کر مشک لے آئی چچا کے سامنے

کہتے تھے خولی سے عابد چادرِ زینب نہ چھین / ق / ہاتھ باندھے جائیں گے مشکل کشا کے سامنے

یاد رکھ ظالم پریشاں ہوگا مجمع حشر کا / فاطمہ جب بال کھولیں گی خدا کے سامنے

فصلِ پیری میں ہوسِ دنیا کی توبہ کر انیسؔ / حشر میں کس منہ سے جائے گا خدا کے سامنے

(۵۲)

اے سلامی یوں اِرم ہے کربلا کے سامنے / ہو چمن جس طرح قصرِ بادشا کے سامنے

جز خدا جھکتے نہیں ہم بادشا کے سامنے / ہاتھ پھیلائے تونگر کیا گدا کے سامنے

کیوں نہ دب جائیں تونگر بھی گدا کے سامنے
آسماں کو فوق کیا عرشِ علا کے سامنے

تارکِ دُنیا کو اسبابِ حشم سے کیا غرض
تختِ شاہی خاک سے کم ہے گدا کے سامنے

اُس سے زر بنتا ہے اور اِس سے گنہ ہوتے ہیں پاک
قدر کیا اکسیر کی خاکِ شفا کے سامنے

وائے حسرت کچھ نہ دُنیا میں کئے اعمالِ نیک
ہاتھ خالی ہم چلے اپنے خدا کے سامنے

قلب میں داغوں کے گُل دامن میں اشکوں کے گہر
ہم یہ ہدیہ لے کے جائیں گے خدا کے سامنے

تن میں رعشہ پڑ گیا پیری سے گردن خم ہوئی
اب تو جھک سجدے میں او سرکش خدا کے سامنے

معجزے سے آپ نے عفریت کے باندھے جو ہاتھ
ق
مدتوں روتا پھرا وہ انبیا کے سامنے

پر کسی سے اس کی بندش کا نہ عقدہ حل ہوا
وہ گرہ آخر کھلی مشکل کشا کے سامنے

حُر کو آتی تھی ندا کیوں کانپتا ہے مثلِ بید
نار کا ڈر ہے تو جا نورِ خدا کے سامنے

واہ ری رحمت کہ دوزخ کو بھی ٹھنڈا کر دیا
آگ پانی ہو گئی خاکِ شفا کے سامنے

دے گا شہ کی بے گناہی پر شہادت روزِ حشر
خنجرِ قاتل زباں بن کر خدا کے سامنے

کہتے تھے عباس بہکاتا ہے کیا اے مردِ شوم
ق
دم بھی نکلے گا تو شاہِ کربلا کے سامنے

مجھ سے کہتا ہے کہ آقا کی رفاقت چھوڑ دو
یہ دغا بازی کی باتیں باوفا کے سامنے

کور باطن تھا حُر غازی مگر اللہ رے فیض
قلب روشن ہو گیا نورِ خدا کے سامنے

حُر نے بیٹے سے کہا ہاتھوں کو اپنے باندھ کر
یوں چلو لختِ دل مشکل کشا کے سامنے

عرش پر دستِ خدا نکلا حجابِ نور سے
شیر کا کاسہ جب آیا مصطفا کے سامنے

کیا سخاوت تھی کہ چھپ چھپ کر علی ہنگام شب
آپ لے جاتے تھے کھانا ہر گدا کے سامنے

روضۂ شہ میں صدا آتی ہے یہ زوار کو
دیکھ وا بابِ اجابت ہے دعا کے سامنے

کہتی تھی زینب تمہیں کچھ بھی خبر ہے یا حسینؑ
ننگے سر نکلی ہوں میں اہلِ جفا کے سامنے

غاصبوں نے جب رسن باندھی گلے میں بے گناہ
سب کے عقدے کھل گئے مشکلکشا کے سامنے

روضۂ سرور پہ پہنچا دے ہماری رُوح کو
ملتجی رہتا ہوں میں بادِ صبا کے سامنے

تیرے بندے اور امامِ بُت شکن کے ہیں غلام
حشر کے دن ہم یہ کہہ دیں گے خدا کے سامنے

حشر میں اک اور ہوگا حشر جس دم فاطمہؑ
لائیں گی شہ کا سرِ پُر خوں خدا کے سامنے

تربتِ سرور پہ جا کر خاک ہو جاؤں انیسؔ
ہے زباں پر یہ دعا ہر دم خدا کے سامنے

(۵۳)

غبارِ رہِ کربلا ہو گئی
مری خاک بھی کیمیا ہو گئی

صبا لے کے آئی جو بوئے نجف
گرہ غنچۂ دل کی وا ہو گئی

الٰہی مجھی میں نہ تھی کچھ وفا
کہ دُنیا ہی سب بے وفا ہو گئی

یہ عقدہ نہ کھلتا کبھی حشر تک
عنایاتِ مشکل کُشا ہو گئی

خوشا صرۂ کربلا کا اثر
گرہ واں کھلی یاں شفا ہو گئی

نجف میں شراب آ کے سرکہ بنی
وہ کیفیتِ نشۂ کیا ہو گئی

زہے سطوتِ عدلِ شیرِ خدا
کہ بنتِ عنب پارسا ہو گئی

خزاں کا جو گلشن میں جھونکا چلا
تو بس جانِ بُلبل ہوا ہو گئی

وہ تعریف ہے جس میں سازش نہ ہو
وہ رقت ہے جو بے ریا ہو گئی

تلاطم سے نکلا ہمارا جہاز
مناسب موافق ہوا ہو گئی

بہت ڈر سمندر کی لہروں کا تھا
طبیعت مگر آشنا ہو گئی

کیا ابرِ رحمت نے ایسا کرم کہ پانی رہ کر بلا ہو گئی
نگہبانِ کشتی جو تھا فخر نوح ہر اک موج خود نا خدا ہو گئی
مجھی پر نہیں کچھ علی کا کرم ہزاروں کی حاجت روا ہو گئی
نہ گل میں محبت نہ بلبل میں اُنس الٰہی یہ کیسی ہوا ہو گئی
دم نزع کس کس کا شکوا کریں ق نہ اک تاب و طاقت جدا ہو گئی
رہا مدتوں ساتھ جس رُوح کا وہ دم بھر میں نا آشنا ہو گئی
یہ صدمہ ہوا وقتِ جنگ و جدل کہ غش بنتِ مشکل کشا ہو گئی
کلیجے پہ چلنے لگی تیغِ ہجر بنی جب بنے سے جدا ہو گئی
یہ دُولھا نے دستِ تاسف ملے کہ ہاتھوں کی سرخی حنا ہو گئی
کہا شہ نے زینب سے اکبر کے بعد بہن رُوح تن سے جدا ہو گئی
کہا شہ نے نکلا جو اصغر کا دم مرے پھول سے بُو جدا ہو گئی
فلک کیوں نہ پھٹ کر زمیں پر گرا علی کی بہو بے ردا ہو گئی
کھلا یہ غم شہ میں عابد کا جسم قبا تھی جو تن میں عبا ہو گئی
سکینہ یہ کہتی تھی زنداں میں ق محبت عنایت وہ کیا ہو گئی
گلا میرا باندھا نہ پوچھی خبر چچا بس میں تم سے خفا ہو گئی
کئی دن نہ پانی کا قطرہ ملا مسافر پہ کیا کیا جفا ہو گئی
کسی نے نہ پوچھا لعینوں سے آہ کہ معصوم سے کیا خطا ہو گئی
انیسؔ آ چکے تھے تہِ تیغِ مرگ سپر مومنوں کی دُعا ہو گئی

(۵۴)

نو دِ نویدِ زندگی لائی قضا میرے لئے
شمعِ کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے

زندگی میں تو کیا اک دن نہ خوش ہنس بول کے
آج کیوں روتے ہیں میرے آشنا میرے لئے

کُنجِ عزلت میں مثالِ آسیا ہوں گوشہ گیر
رزق پہنچاتا ہے گھر بیٹھے خدا میرے لئے

تو سراپا اجر اے زاہد میں سرتاپا گناہ
باغِ جنت تیری خاطر کربلا میرے لئے

یا حسین ابن علی فیاضِ عالم جانِ خلق
آپ نے کی ہر مصیبت میں دعا میرے لئے

آبرو و مال و فرزندانِ صالح عزّ و جاہ
کس کی خاطر یہ ہوا جو کچھ ہوا میرے لئے

بھر دیا مولا نے دامن کو درِ مقصود سے
زر دیا زر پر عطا پر کی عطا میرے لئے

قطعِ اُمید ایک در سے گر ہوئی کچھ غم نہیں
کھول دے گا اور کوئی در خدا میرے لئے

ہر نفس آئینۂ دل سے یہ آتی ہے صدا
خاک تو ہو جا تو حاصل ہو جلا میرے لئے

بھیج دے دوزخ میں یا جنت میں ہاں مجرم تو ہوں
تو ہے عادل جو مناسب ہو سزا میرے لئے

اے مہوس اپنی اپنی قسمت اس کا رشک کیا
کیمیا تیرے لئے خاکِ شفا میرے لئے

نام روشن کر کے کیونکر بجھ نہ جاتا مثلِ شمع
ناموافق تھی زمانے کی ہوا میرے لئے

کہتے تھے شہ حضرتِ آدم سے تا ختمِ رُسل
روئے سارے انبیا و اوصیا میرے لئے

کہتے تھے شہ سخت ہے تیغ و گلو کا مرحلہ
یہ بھی مشکل سہل کر دے گا خدا میرے لئے

کہتی تھی صغرا ٹھنڈائی سے نہ ہووے گی شفا
شربتِ دیدارِ اکبر ہے دوا میرے لئے

خاک کو ہے خاک سے اُلفت تڑپتا ہوں انیسؔ
کربلا کے واسطے میں کربلا میرے لئے

(۵۵)

غمِ شہ کا گر داغ دل پر رہے — سلامی لحد بھی منوّر رہے
اک افسانۂ بیکسی رہ گیا — نہ قاتل رہا اور نہ سرور رہے
فقیروں کی کیا موت کیا زندگی — جگہ جس جگہ مل گئی مر رہے
بدن گھل گیا مثلِ تیغِ اصیل — نہ کس بل رہا اور نہ جوہر رہے
وہ ہے آدمی جس سے ہو کارِ خیر — بشر وہ جو دنیا میں بے شر رہے
جنازہ اُٹھانا ہے احباب کو — مناسب ہے گر جسم لاغر رہے
صبا لے کے جا میرے پھولوں کی بُو — دماغِ عدو بھی معطر رہے
پئیں گے شرابِ طہورا کے جام — اگر حبِّ ساقیِٔ کوثر رہے
پسر گو تھے زینب کے چھوٹے بڑے — لڑائی میں دونوں برابر رہے
قیامت ہے کفّار سیراب ہوں — مگر تشنہ مختارِ کوثر رہے
چڑھائیں عدو اس کو نیزے پہ آہ — محمدؐ کے زانو پہ جو سر رہے
نہ کھائی برس دن بھی یاں کی ہوا — بہت کم زمانے میں اصغر رہے
کبھی لاش اُٹھائی کبھی رو دیئے — اسی شغل میں شاہ دن بھر رہے
عمر سے کہا فوج نے خوب ہے — ق اگر پردۂ آلِ اطہر رہے
کہا شمر نے اس طرح تُو ٹھیو — کہ سر پر کسی کے نہ چادر رہے
ہمیں حکم ہے حاکمِ شام کا — کہ بلوے میں زینب کھلے سر رہے
نہ پھیلائیو ہاتھ ہرگز انیسؔ — فقیری میں بھی دل تونگر رہے

(۵۶)

آ کے جو بزمِ عزا میں رو گئے — مجرئی وہ فردِ عصیاں دھو گئے
یاد آیا دامنِ مادر کا چین — پاؤں پھیلا کر لحد میں سو گئے
اشک کیا نکلیں کڑے احوال پر — سُنتے سنتے قلب پتھر ہو گئے
موت آتی ہے محبو الفراق — آج و عدے سب برابر ہو گئے
ہاتھ سے جاتا رہا نقدِ حیات — جان لے کر آئے بے جاں ہو گئے
عالمِ فانی سے ہم کو کیا ملا — اور کچھ اپنی گرہ سے کھو گئے
راحت آبادِ عدم ہے خوب جا — پھر نہ وہ آئے جہاں سے جو گئے
چھد گیا مثلِ گہر ناوک سے حلق — لعل سی جاں اپنی اصغر کھو گئے
خون گردن سے جو نکلا گرم گرم — بھر کے آہِ سرد ٹھنڈے ہو گئے
آ کے تربت پر پکارے شاہِ دیں — ہائے آج اصغر اکیلے ہو گئے
ہتھکڑی اور بیڑیوں کو دیکھ کر — دست و پا عابد کے ٹھنڈے ہو گئے
عالمِ پیری میں یہ غفلت انیسؔ — رات بھر جاگے سحر کو سو گئے

(۵۷)

ذکرِ خوش قامتیٔ شاہ جو چل جائے ابھی — مجرئی رنگ قیامت کا بدل جائے ابھی
اے سخن نور کا سانچہ ہے طبیعت میری — کوئی کا واک جو مضموں ہو تو ڈھل جائے ابھی
خانۂ چشم سے مردم نہ نکلنے دیں اگر — طفلِ اشکِ غمِ شبیر مچل جائے ابھی
حکمتِ شیرِ خدا راہ اگر بتلا دے — آسماں چشمۂ سوزن سے نکل جائے ابھی
اشہبِ شہ کا اشارہ تھا طرارا جو بھرُوں — شیرِ گردوں مری ٹاپوں سے کچل جائے ابھی

روضۂ شاہ پہ اس جسم سے دم نکلے گا — نہیں مرنے کے سرہانے سے اجل جائے ابھی
مومنو مرثیۂ شاہ ہے نخلِ ماتم — آنسوؤں سے اسے دو آب تو پھل جائے ابھی
شب کو حضرت نے کہا ہوئیں گی کل راہیں بند ق — جس کو جانا ہو وہ لشکر سے نکل جائے ابھی
مرنے والوں نے یہ کی عرض کہ پروا کیا ہے — تیغ گر چلنی ہو گردن پہ تو چل جائے ابھی
عصر کے وقت کے مشتاق تھے ایسے شبیر — صبح سے تھی یہ دعا دن کہیں ڈھل جائے ابھی
غش سکینہ کو جو آتا تھا تو ماں کہتی تھی ق — سینۂ شہ کی ملے بو تو سنبھل جائے ابھی
بیبیاں کہتی تھیں صبر آئے گا رفتہ رفتہ — باپ سے بچھڑی ہے کس طرح بہل جائے ابھی
دل کو مجروح کیا جان کے کھٹکے نے انیسؔ — پھول ہو جائیں یہ کانٹا جو نکل جائے ابھی

(۵٨)

شتاب روضۂ فرزندِ بوتراب ملے — کھلیں نصیب جو خلدِ بریں کا باب ملے
تلاش جس کی ہے دل کو بصد شتاب ملے — جہاں میں نور ہے جس کا وہ آفتاب ملے
خوشا عطا زہے رتبۂ غمِ شبیر — کہ ایک آہ میں تسبیح کا ثواب ملے
ندائے غیب یہ حُرِّ جری کو آتی تھی ق — گناہ عفو ہوئے اجر بے حساب ملے
بھٹک رہا ہے اگر راہِ خلد سے غافل — اُدھر کو جا کہ جدھر جادۂ صواب ملے
حسین آپ گئے حُر کی پیشوائی کو — کسے زمانے میں رتبے یہ بے حساب ملے
پتہ علی سے ملا اور سب اماموں کا — کہ ایک نور سے گیارہ یہ آفتاب ملے
حسین کہتے تھے لکھا تھا یہ مقدر میں — کہ خاک میں علی اکبر ترا شتاب ملے
غریب بیکس و بے پر شہید و تشنہ دہن — حسین کو پسِ مردن یہ سب خطاب ملے

حرم حسین کے کہتے تھے رو کے بلوے میں ‌ ‌ چھپائیں چہروں کو ہم گر کوئی نقاب ملے
مقام غور ہے چمکیں نہ کس طرح طالع ‌ ‌ کہ خود جب آن کے ذرّے سے آفتاب ملے
انیسؔ فیض کا معدن ہے بارگاہِ حسین ‌ ‌ صلے خدا کی عنایت سے بے حساب ملے

(۵۹)

عجب وقت ہے اور عجب انجمن ہے ‌ ‌ سلامی یہ محفل علی کا چمن ہے
سلامی یہ آلِ نبی پر محن ہے ‌ ‌ کہ بارہ تو بازو ہیں اور اک سن ہے
نہیں انگلیاں پانچ مصرع ہیں گویا ‌ ‌ مرے ہاتھ میں خمسۂ پنجتن ہے
گریباں مرا چھوڑ اے حرصِ دُنیا ‌ ‌ مرے ہاتھ میں دامن پنجتن ہے
یہ مٹی سے پرہیز اے جسم کب تک ‌ ‌ کہ آخر یہی خاک ہے اور کفن ہے
مکاں دیکھے معراج میں دو نبی نے ‌ ‌ ق کہ ہر ایک جنت میں پرتو فگن ہے
محل اک زمرّد کا ہے رشکِ طوبیٰ ‌ ‌ تو وہ دوسرا رشکِ لعلِ یمن ہے
کہا سرخ اور سبز ہیں کیوں یہ دونوں ‌ ‌ دل اس وقت کچھ خود بخود نعرہ زن ہے
کہا حاملِ وحی نے سر جھکا کر ‌ ‌ یہ قصرِ حسین اور وہ قصرِ حسن ہے
کہا حرُ نے تیغیں نہ حضرت پہ کھینچو ‌ ‌ لعینو یہ سیّد غریب الوطن ہے
صفیں توڑ کر رن میں کہتے تھے اکبر ‌ ‌ مرا جدِ مرحوم خیبر شکن ہے
کہا ماں نے جاتے ہو اصغر کہاں تم ‌ ‌ اشارہ کیا قصدِ نہرِ لبن ہے
کہا شہ نے قاتل سے زانو اُٹھا لے ‌ ‌ کہ تیروں سے غربال سارا بدن ہے
گلے میں رسن جب بندھی بولے عابد ‌ ‌ کہ ہم میں بھی شکل کشا کا چلن ہے

کھلا یہ دو رنگی سے برگِ حنا کی ۔۔۔ یہ رنگِ حسین اور وہ رنگِ حسن ہے
اسیروں کو دکھلا کے خولی پکارا ق یہ کنبہ علی کا اسیرِ محن ہے
سرا جس کے بازو میں ہے ریسماں کا ۔۔۔ یہ زہرا کی بیٹی ہے شہ کی بہن ہے
منہ اپنا جو ہے دونوں ہاتھوں سے ڈھانپے ۔۔۔ یہی نامراد ایک شب کی دلہن ہے
نظر آیا مقتل تو عابد پکارے ق یہ نعش امام غریب الوطن ہے
نہیں جسم پر ایک چادر کا سایہ ۔۔۔ نئی گردشِ آسمانِ کہن ہے
ندا آئی لاشے سے بیٹا نہ رؤو ۔۔۔ رہِ حق میں راحت یہ رنج و محن ہے
یہ نیزوں کی چوبیں ہیں تابوت اپنا ۔۔۔ یہ دامانِ صحرا ہمارا کفن ہے
نہیں رنج کچھ اپنی عریاں تنی کا ۔۔۔ یہ غم ہے کہ زینب اسیرِ محن ہے
انیسؔ اس قدر شور بختی کا شکوہ ۔۔۔ یہ دولت ہے تھوڑی کہ شیریں سخن ہے

(۶۰)

خیالِ چہرۂ شہ وقتِ خواب رہتا ہے ۔۔۔ تمام شب مرے گھر آفتاب رہتا ہے
سلامی ریش میں جب تک خضاب رہتا ہے ۔۔۔ اگر رہا تو بس اتنا شباب رہتا ہے
خدا کا قہر نبی کا عتاب رہتا ہے ۔۔۔ عدو علی کا ہمیشہ خراب رہتا ہے
ہ نے شیشۂ دل کو نہ توڑا اے گردوں ۔۔۔ یہ ظرف وہ ہے کہ جس میں گلاب رہتا ہے
جو دل جلے ہیں انھیں کا سخن ہے گرما گرم ۔۔۔ مزا ہے سیخ پہ جب تک کباب رہتا ہے
کب آئے موت خدا جانیے طلب کب ہو ۔۔۔ جو شہ سوار ہے پا در رکاب رہتا ہے
پسِ فنا زن و فرزند چھوڑ جائیں گے ۔۔۔ شریکِ حالِ مسافر ثواب رہتا ہے

زباں سوالِ نکیرین میں نہ بند ہوئی — خموش بھی کہیں حاضر جواب رہتا ہے
کھلی ہیں مالکِ دفتر کے سامنے فردیں — سیاق داں سے حساب و کتاب رہتا ہے
علی کے خوف سے جنگل میں شیر کانپتے ہیں — جگر نہنگ کا پانی میں آب رہتا ہے
علی نے دیکھے بھی سائل سے کیں نہ آنکھیں چار — دلِ سخی میں ہمیشہ حجاب رہتا ہے
حسین کہتے تھے جب سے جدا ہے لختِ جگر — دل حزیں کو مرے اضطراب رہتا ہے
بھری ہے کونسی یارب دل انیس میں آگ — کہ جس کی آنچ سے مدح کباب رہتا ہے

(۶۱)

زباں پر مدح ہے باغِ علی کے نونہالوں کی — گلستاں سے نہیں کم مجلسیں نازک خیالوں کی
جوانانِ حسینی نے صفیں توڑیں پرے الٹے — نہ بھولے گی قیامت تک لڑائی مرنے والوں کی
رفیقانِ حسین ابنِ علی کیا کیا بہادر تھے — سناں کھائی ہر اک نے چاند سے سینے پہ بھالوں کی
جری ایسے نہ ہونگے باغِ عالم میں کبھی پیدا — زباں سے کیا بیاں تعریف ہو یوسف جمالوں کی
چمکتی برق کی صورت ہر اک شمشیر میداں میں — برستے سر تھے ہر جا پر گھٹا چھائی تھی ڈھالوں کی
جگہ جب کربل کی لی شہ نے تو ہاتف نے کہا رو کر — یہیں بستی بسے گی فاطمہ کے نونہالوں کی
قلم بھی رہ گیا ہر بار نقطے دے کے کاغذ پر — نہ سوجھی جب کوئی تشبیہ روئے شہ کے خالوں کی
جوانانِ حسینی کو جو دیں تشبیہ کس سے دیں — کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں مثالیں بے مثالوں کی
کمر کس کر علی اکبر نے جب سر پر رکھا شملہ — بلائیں ماں نے لیں بڑھ کے گھونگر والے بالوں کی
علی اکبر کے ابرو دیکھتا تھا جو وہ کہتا تھا — یہ تصویریں ہیں دونوں چاند کے پیچھے ہلالوں کی
معاذ اللہ رعبِ دلبرانِ حضرتِ زینب — علی کا رعب چتون شیر کی آنکھیں غزالوں کی

نہ پہنچا تھا جو پانی دھوپ سے مرجھائے جاتے تھے ۔ یہ صورت تھی گلستانِ علی کے نونہالوں کی
وہ پہلو اور وہ پیکانِ سہ پہلو کیا قیامت ہے ۔ وہ سینہ شہ کا اور نوکیں ستمگاروں کے بھالوں کی
گرے جب شاہ گھوڑے سے ندا ہاتف کی یہ آئی ۔ جگہ جھاڑی ہوئی ہے فاطمہ زہرا کے بالوں کی
ہوا اک شور جب زینب نے پوچھا آکے مقتل میں ۔ کہاں قبریں بنی ہیں میرے دونوں نونہالوں کی
جو پوچھا حال انصاروں کا آکر زعفرِ جن نے ۔ کہا شہ نے حقیقت کچھ نہ پوچھو مرنے والوں کی
جب آتا ذکر بیٹوں کا تو زینب سب سے کہتی تھی ۔ خدا بخشے ابھی کیا عمر تھی ان مرنے والوں کی
غمِ اصغر میں بانو کہتی تھی مرتی ہوں اے بیٹا ۔ سنگھاؤں اٹھ کے خوشبو اپنے گھونگر والے بالوں کی
جب آئی لوٹنے کو فوج خیمے میں ہوا محشر ۔ صدا پہنچی فلک پر فاطمہ زہرا کے نالوں کی
کبھی مقتل کبھی کوفہ کبھی صحرا کبھی زنداں ۔ حقیقت کچھ نہ پوچھو فاطمہ کبرا کے چالوں کی
اٹھائے یہ سکینہ نے جفائے شمر کے صدمے ۔ کہ رنگت ہوگئی تھی سوسنی پھولوں سے گالوں کی
جھلکے تھے عرق چہروں پہ تھا اور بند تھیں آنکھیں ۔ پڑی تھیں چادریں سیدانیوں کے سر پہ بالوں کی
جھکا تھا پشت پر ایک اک کی سر ایک ایک بی بی کا ۔ یہ نقشہ قیدیوں کا تھا یہ صورت پردے والوں کی
پڑے تھے خاک پر اہلِ حرم تکیہ نہ بستر تھا ۔ ہوئی تھی شکل زنداں میں یہ ان یوسف جمالوں کی
بحمد اللہ عابد کہتے تھے جب پوچھتیں زینبؑ ۔ پھوپی قربان اب کیا شکل ہے تلوؤں کے چھالوں کی
عزادار اس طرف تو تعزیہ شہ کا اٹھاتے ہیں ۔ اُدھر نقلیں لکھی جاتی ہیں جنت کے قبالوں کی
انیسؔ اب تو ہلال و بدر کو یکساں سمجھتے ہیں ۔ رہی ہے منصفوں میں قدر یہ صاحب کمالوں کی

(۶۴)

مجرئی قید سے جب عابدِ بے پر چھوٹے ۔ شام میں شور ہوا آلِ پیمبر چھوٹے

رن میں فرماتے تھے بھر کر نفسِ سرد حسین　　مجھ سے کیا کیا مرے اس دشت میں یاور چھوٹے
بانو فرماتی تھیں ہاتھوں سے اجل کے ہے ہے　　نہ تو اکبر ہی بچے اور نہ اصغر چھوٹے
حُر یہ کہتا تھا کروں گا مددِ سبطِ رسُول　　اس میں فرزند جُدا ہو کہ برادر چھوٹے
خاک پر گر کے دمِ نزع یہ اکبر نے کہا　　اب یقیں ہے کہ نہ تا حشر یہ بستر چھوٹے
شہ نے زینب سے کہا مل کے گلے وقتِ وداع　　اے بہن تم سے ہم اب تا دمِ محشر چھوٹے
یہ غمِ اکبر و عباس میں کہتے تھے حسین　　آج حیدر سے چھٹے آج پیمبر چھوٹے
لاش پر بیٹے کی شہ کہتے تھے ہم سے افسوس　　بعد اٹھارہ برس کے علی اکبر چھوٹے
شاہ کہتے تھے رفیقوں سے چھٹے گو دریا　　یہ دُعا مانگو کہ پیاسوں سے نہ کوثر چھوٹے
اصغر و شہ کے لگا گردن و بازو پہ جو تیر　　خوں کے دو زخموں سے فوارے برابر چھوٹے
شاہ کہتے تھے کٹے حلق مگر ہاتھوں سے　　دامنِ صبر نہ زیرِ دمِ خنجر چھوٹے
لاشِ اصغر پہ کہا بانو نے اماں صدقے　ق　چھ مہینے مری چھاتی سے نہ دم بھر چھوٹے
جا کے جنگل میں کیا باپ کا پہلو آباد　　ماں سے اس عمر میں بیٹا علی اصغر چھوٹے
عورتیں آ کے جو صغرا کو یہ سمجھاتی تھیں　ق　تیرے رونے سے تو ہمسائیوں کے گھر چھوٹے
وہ یہ کہتی تھی کہ ماں باپ سے جو چھوٹا ہو　　اس سے رونا کہو دن رات کا کیونکر چھوٹے
بیبیاں کہتی تھیں کیوں وَنٹوں پہ رد رنہ پھریں　　سر پہ وارث نہ رہے قید ہوئے گھر چھوٹے
گر بٹھاتا کوئی مسند پہ تو کہتے سجاد　ق　ہوئے چالیس برس بالش و بستر چھوٹے
زیرِ سر ہاتھ دھرے خاک پہ سو رہتا ہوں　　چین تو اُٹھ گیا جس روز سے سرور چھوٹے
خلد میں رو کے سکینہ نے کہا سرور سے　ق　قیدِ زنداں سے تو ہم چھوٹے پہ مر کر چھوٹے

آرزو یہ ہے کہ ہنگامۂ محشر میں انیسؔ ہاتھ سے میرے نہ دامانِ پیمبر چھوٹے

(۶۳)

سلامی خلق کا آغاز و انجام اس پہ ظاہر ہے کہ جو اوّل ہے ہر اوّل سے ہر آخر سے آخر ہے
الٰہی بخش دے اپنے کرم سے میرے عصیاں کو کہ میں ہوں بندۂ محتاج تو ہر شے پہ قادر ہے
دو عالم دو ورق ہیں اک کتابِ وصفِ حیدرؔ کے یہ مجموعہ ہے وہ جس کا نہ اوّل ہے نہ آخر ہے
جو اچھے ہیں انھیں ملتا ہے مر کر قربِ اچھوں کا قریبِ قبرِ سرور تربتِ ابنِ مظاہر ہے
بھلا ان کی ثنا کیونکر کرے کج مج بیاں مجھ سا فرشتوں کی زباں تداحیِ حیدر میں قاصر ہے
کہا حضرت نے حُر سے تیسرا فاقہ ہے بچّوں پر مرے احوال کا رزاقِ عالم خوب ماہر ہے
کہا عباس نے پانی تو پینے دو مسلمانو تمھارا میہماں سید ہے بیکس ہے مسافر ہے
حُسین ابنِ علی کہتے تھے گر امت کے کام آئے یہ بچے بھی مرے موجود ہیں یہ سر بھی حاضر ہے
پیادہ سیدِ سجّاد سوئے شام جاتے ہیں نہ محمل ہے نہ ہودج ہے نہ اشتر ہے نہ قاطر ہے
پکارا خولیٔ ملعون صف آرا جب ہوئے حضرت ق نبی مجھ کو برہنہ سر نظر آئے یہ کیا سر ہے
حُسین ابنِ نمیرِ روسیہ نے تب کہا ہنس کر یہ اولادِ نبی کا سحر ہے جو تجھ پہ ظاہر ہے
حبیب ابنِ مظاہر تب پکارے او شقی چُپ رہ خدا لعنت کرے بے دین ہے تو مرتد ہے کافر ہے
نبی کے لال کے رُتبے سے شاید تو نہیں واقف یہ اعلیٰ ہے یہ اتقیٰ ہے یہ طیب ہے یہ طاہر ہے
یہ وہ شبیر ہے ماں ہیں جنابِ فاطمہ جس کی یہ وہ سید ہے جو قبرِ محمد کا مجاور ہے
اگر ہو شبہ تجھ کو پُوچھ لے اوروں سے لشکر میں ارے او کور باطن اس کا رتبہ سب پہ ظاہر ہے
کلیدِ قفلِ جنت ہے ولا آلِ محمدؐ کی خدا کو جس نے پہچانا ہے وہ ان کا بھی ماہر ہے

کسی سے کچھ گلہ کرتا نہیں گو دن کے فاقے ہیں
خدا کا دوست ہے دیندار ہے صابر ہے شاکر ہے

جو اندھا ہے تو آنکھیں مل کے مل نعلینِ سرور پر
نبی کے لال کی خاکِ قدم کحل جواہر ہے

سخی ایسا ہے یہ سیّد کہ بہرِ اُمتِ عاصی
لٹا دینے کو گھر موجود ہے مرنے کو حاضر ہے

مدینے سے سوئے کعبہ گیا کعبے سے یاں آیا
یہ رہبر ہے یہ سید ہے یہ سرور ہے یہ صابر ہے

ہزاروں مل کے لڑنے آئے ہو بیکس سے مہماں سے
نہ کچھ اسلام کا ہے پاس نہ ایماں کی خاطر ہے

چڑھائی کس پہ ہے فوجوں کی کس کو قتل کرتے ہو
کوئی اس ماجرے کا پوچھنے والا بھی آخر ہے

یہ ہر افضل سے افضل ہے یہ ہر اعلیٰ سے اعلیٰ ہے
یہ ہر بہتر سے بہتر ہے یہ ہر نادر سے نادر ہے

کئے ہیں پا پیادہ بیس حج اس نے مدینے سے
یہ حق کا برگزیدہ ہے یہ حاجی ہے یہ زائر ہے

زباں جل جائے گی تیری معاذ اللہ توبہ کر
شقی تو صاحبِ اعجاز کو کہتا ہے ساحر ہے

خبر لینا انیسِ زار کی یا احمدِ مرسل
تمہاری آل کا مدّاح ہے سید ہے ذاکر ہے

(۶۴)

مجرائی گردشِ فلکِ پیر دیکھئے
چوبِ سنان و گیسوئے شبیّر دیکھئے

مجرائی باغِ خلد کی تعمیر دیکھئے
چل کر بہارِ روضۂ شبیّر دیکھئے

عباس آئے رن میں تو اعدا میں غل ہوا
شیرِ خدا کے شیر کی تصویر دیکھئے

نکلے وطن سے شہ تو یہ رو رو کے کہتے تھے
لے جائے کس طرف ہمیں تقدیر دیکھئے

شہ کہتے تھے عدم کو گئے سب رفیق و یار
ہم کارواں سے چھٹ گئے تقدیر دیکھئے

دانستہ حرملہ نے خطا کی ہزار حیف
حلقِ صغیر دیکھئے اور تیر دیکھئے

کس یاس سے یہ کہتے تھے مولائے بیکساں
کب تک جفائے لشکرِ بے پیر دیکھئے

چہلم تلک یہ دشت میں زہرا کی تھی صدا　　کب دفن ہوے لاشۂ شبیرؑ دیکھیے
زنداں میں سر کو پیٹ کے کہتے تھے اہلبیت　　کرتی ہے کب رہا ہمیں تقدیر دیکھیے
حیراں ہوں میں کہ کیوں نہ قیامت بپا ہوئی　　چوبِ یزید اور لبِ شبیرؑ دیکھیے
سجاد روکے کہتے تھے چہلم قریب ہے　　ملتا ہے تن سے کب سرِ شبیرؑ دیکھیے
گھبرا رہی ہے ہند میں اب روح اے انیسؔ　　چل کر بہارِ روضۂ شبیرؑ دیکھیے

(۶۵)

سلامی درِ شہ پہ گر جائیں گے　　تو سب کام بگڑے سنور جائیں گے
ہر اک آن یاں زندگی موت ہے　　جئیں گے جو واں جا کے مر جائیں گے
پہ چڑھے گی جو ندی مرے اشک کی　　تو نظروں سے دریا اُتر جائیں گے
پہن کر کہا شہ نے رختِ کہن　　یہ کپڑے بھی تن سے اُتر جائیں گے
کہا شہ نے اکبر سے ٹھہرو جو تم　ق　تو ہم بھی کوئی دم ٹھہر جائیں گے
تمھارا سہارا ہے ہم کو فقط　　جو چھوڑو گے تنہا تو مر جائیں گے
لعینوں سے کہتے تھے زینب کے لال　ق　جو کچھ ہم سے ہوگا وہ کر جائیں گے
دکھاؤ نہ تیغیں سمجھ کر صغیر　　ہم ایسے نہیں ہیں جو ڈر جائیں گے
کہا جا کے اعدا سے عباس نے　ق　سرک جاؤ ہم نہر پر جائیں گے
ملے گا نہ گر اب بھی پانی ہمیں　　پھڑک کر کئی طفل مر جائیں گے
گلوں سے جو اُترے گا اک گھونٹ بھی　　تو اُکھڑے ہوئے دم ٹھہر جائیں گے
سکینہ کی ننھی سی اک مشک سے　　جو ہو نہر خالی تو بھر جائیں گے

حرم سے شبِ قتل کہتے تھے شاہ ق دمِ صبح ہم کوچ کر جائیں گے
مصیبت کی راتیں بسر ہو گئیں نہ روؤ یہ دن بھی گزر جائیں گے
عدو رنج دیتے تو کہتے تھے شاہ ہم اب پھر کے یاں سے نہ گھر جائیں گے
یہ کہتی تھی بانو خبر کس کو تھی کہ اکبر جواں ہو کے مر جائیں گے
خدا بات رکھے جہاں میں انیسؔ یہ دن ہر طرح سے گزر جائیں گے

(۶۶)

مجرئی جبکہ عیاں ماہ عزا ہوتا ہے چرخ پر ماتم شاہِ شہدا ہوتا ہے
رونے والوں کا بھی کیا رتبہ ہے اللہ اللہ جن کے اشکوں کا خریدار خدا ہوتا ہے
جنگ میں کہتے تھے ہنس ہنس کے غمخوارِ حسین زخم کھانے میں بھی اک طرفہ مزا ہوتا ہے
سرِ حر گود میں شہ نے لیا اللہ اللہ بگڑی بن جاتی ہے جب فضلِ خدا ہوتا ہے
کانپتی ہے لحدِ انورِ محبوبِ الٰہ قبر سے نانا کی شبیر جدا ہوتا ہے
برچھیاں چلتی تھیں قاسم پہ تو کہتی تھی قضا رانڈ ہوتی ہے بنی قتل بنا ہوتا ہے
دیر بیٹوں کو لگی رن میں تو زینب نے کہا لاشیں آتی ہیں اگر فضلِ خدا ہوتا ہے
دیکھ کر شہ کو دمِ نزع جو روئے عباس ق پیارے شہ لگے کہنے کہ یہ کیا ہوتا ہے
کیوں خجل کرتے ہو پانی نہ ملا تو نہ ملا وہ کیا تم نے جو کچھ حقِ وفا ہوتا ہے
شمر کہتا تھا کہ بیعت سے عبث ہے انکار جو ستم شاہ پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے
دیکھ ہمشکلِ پیمبر کو یہ کہتے تھے عدو اس کے چہرے سے عیاں نورِ خدا ہوتا ہے
رن میں کہتے تھے لعینوں سے شہِ تشنہ دہن ق بند پانی جو کیا تم نے تو کیا ہوتا ہے

میرے منہ میں وہ محمد کی زباں کا ہے اثر — شجرِ خشک پہ تھوکوں تو ہرا ہوتا ہے
شاہ سے اکبرِ غازی نے کہا جان چلی — زخم میں چھاتی کے اب دردسوا ہوتا ہے
پھیر دیں آنکھیں جو اصغر نے پکاری بانو — دوڑو وائے بیبیو دیکھو تو یہ کیا ہوتا ہے
شاہ رو دیتے تھے کہتی تھی سکینہ جس دم — پیاس سے سینے میں دم اب تو خفا ہوتا ہے
ماں نے عباس کی امِ سلمہ سے پوچھا — ق؍ تب سے بچی کو افاقہ بھی ذرا ہوتا ہے
بولی وہ غش میں پڑی رہتی ہے غش میں بھی مگر — کبھی ماں کا کبھی بہنوں کا گلا ہوتا ہے
شاہ کو روتی سکینہ تو یہ کہتی بانو — موت ہے باپ سے بچہ جو جدا ہوتا ہے
شہ کے لب ہلتے ہوئے دیکھ کے زینب نے کہا — صاجو نیزے پہ بھی ذکرِ خدا ہوتا ہے
حوصلہ تھا یہ حسین ابن علی کا ورنہ — سجدہ خنجر کے تلے کس سے ادا ہوتا ہے
تا بہ جہلم یہ صدا آتی تھی میداں میں انیس — دیکھیں کب قید سے سجّاد رہا ہوتا ہے

(۶۷)

ہوا جو عشقِ ثنائے ابوتراب مجھے — خدا نے کر دیا ذرّے سے آفتاب مجھے
تہِ زمیں نظر آئے ہیں بوتراب مجھے — ملا ہے قبر کی ظلمت میں آفتاب مجھے
ثنائے شہ میں جو طفلی سے کی عرق ریزی — بڑھی زباں کی فصاحت ملا شباب مجھے
خزانہ گوہرِ بے بہا تھا پر در دل میں — دکھائے چشم نے کیا کیا دُرِ خوش آب مجھے
گلِ حدیقۂ زہرا نے آبرو دے کر — کلی سے پھول کیا پھول سے گلاب مجھے
چھلکتے جام رہیں مے کدہ رہے آباد — خمِ غدیر کی دے ساقیا شراب مجھے
بہت کھپے گا ادھر سے ہوئی جو بارشِ اشک — برس کے جوش میں لاتا ہے کیوں سحاب مجھے

غمِ حسین میں ندی چڑھی یہ اشکوں کی   کہ آسماں نظر آنے لگا حباب مجھے
کبھی نہ دوں عرقِ روئے شاہ سے نسبت   ہزار طرح سے چھینٹے جو دے گلاب مجھے
سندِ معافیٔ عصیاں کی ہے ہر ایک ورق   پسند ہے غمِ شبیر کی کتاب مجھے
رُخِ حسین سے دعوائے ہمسری کیا خوب   دکھائے زُلف تو چہرے پہ آفتاب مجھے
نقاب رُخ سے اُلٹ دیجیے یا علی اکبرؑ   چمک دکھا کے جلاتا ہے آفتاب مجھے
یہ قولِ حُر تھا کہ میں دفترِ جہاں میں ہوں فرد   کیا ہے شہ نے ہزاروں میں انتخاب مجھے
صدا یہ دیتی تھی حضرت کو ذوالفقارِ علی ق   کمر سے کھینچیے یا ابنِ بوتراب مجھے
وہ برق ہوں میں کہ ٹکڑے ابھی اُڑا دوں گی   سمٹ کے روکے تو ڈھالوں کا یہ سحاب مجھے
حسین کہتے تھے دریا پہ مر گئے عباس   چھری کی دھار سے اب کم نہیں یہ آب مجھے
صدا یہ آتی تھی مقتل سے بعدِ قتلِ حسین ق   کسے خبر ہے جو حاصل ہوئے ثواب مجھے
غریب و بیکس و مظلوم و تشنہ کام و شہید   ملے ہیں خلق میں سر دے کے یہ خطاب مجھے
حسین کہتے تھے اے تیغ سب فنا ہو جائیں ق   ستم کی فوج پہ آئے اگر عتاب مجھے
ترا نظیر ہے دنیا میں کوئی اور نہ مرا   تجھے ہلال بنایا ہے آفتاب مجھے
وہ تشنہ کام ہیں بحرِ جہاں میں کہتے تھے شاہ   کہ پھوٹ پھوٹ کے روئے گا ہر حباب مجھے
پدر کے غم میں تڑپتی ہوں کہتی تھی صغرا   نہ چین آتا ہے اے بیبیو نہ خواب مجھے
سکینہ کہتی تھی بابا کلیجہ پھنکتا ہے   خدا کے واسطے لا دو کہیں سے آب مجھے
قدم نہ چھوڑوں گی میں شہ سے کہتی تھی زینب   جلو میں چلنے دو تھامے ہوئے رکاب مجھے
بندھی رسن میں جو گردن تو بولے عابدِ زار   خدا نے آج کیا مالکُ الرقاب مجھے

زمینِ ہند میں مٹی مری خراب نہ ہو   کرو بخف میں طلب یا ابو تراب مجھے
کئے جو آکے نکیرین نے سوال انیسؔ   بتا دیئے مرے مولا نے سب جواب مجھے

(۶۸)

قاسمِ نارو جناں ذبح جو پیاسا ہوئے   مجرئی حشر نہ کیوں خلق میں برپا ہوئے
اَوج میں اَوجِ سلیماں سے بھی بالا ہوئے   مجرئی شاہ کا گر ہو تو یہ رُتبا ہوئے
واہ کیا اَوج پہ ہے بزمِ عزائے شہِ دیں   یاں پہ ادنٰی بھی جو آجائے تو اعلا ہوئے
واہ کیا روضۂ پُر نور ہے اللہ اللہ   یاں پہ ادنٰی بھی اگر آئے تو اعلا ہوئے
حُرملہ شمر سے کہتا تھا کہ حسرت ہے مجھے   حلقِ اصغر مرے ناوک کا نشانا ہوئے
حر یہ کہتا تھا مرے دل کی تمنا ہے یہی   قصرِ فردوس ہو اور سایۂ طوبا ہوئے
گھر گئے فوج میں عباس تو بولا یہ عُمر ق   لُطف جب ہے کہ یہ تیروں کا نشانا ہوئے
پھر یہ نوفل سے کہا بڑھ کے لگا اک تلوار   ایک ہی ہاتھ میں بیکار یہ شانا ہوئے
رات کو بیاہ ہوا صبح بنی رانڈ بنی   حیف چوتھی کے عوض شام کا چالا ہوئے
شہ نے صغرا سے کہا دیکھ لو جی بھر کے ہمیں   کربلا جاتے ہیں شاید کہ نہ آنا ہوئے
ہے غضب اس کا پسر نہر پہ پیاسا ہو شہید   نہر میں جس کے ہر اک خلق کا دریا ہوئے
ظلم کرتے تھے عدو شہ پہ تو کہتے تھے ملک ق   خلق میں صابر و شاکر ہو تو ایسا ہوئے
مرتے مرتے بھی پڑھی شہ نے نمازِ واجب   عابد و راکع و ساجد ہو تو ایسا ہوئے
دیر اصغر کو لگی رن میں تو بانو نے کہا ق   فوجِ اعدا نہ کہیں در پئے ایذا ہوئے
علی اکبر تو ہوئے تیغوں سے ٹکڑے رن میں   کہیں اصغر بھی نہ تیروں کا نشانا ہوئے

بعد قتلِ شہِ دیں فوج سے بولا یہ عمر ق　کہیں عابد بھی پئے جنگ نہ آتا ہووے
لوٹ لو رانڈوں کو اور قید کرو اس کو بھی　خیمۂ شاہ بھی جل جائے تو اچھا ہووے
رو کے زینب نے کہا کیوں فلکِ ناانصاف　شہر برباد ہو آباد یہ صحرا ہووے
اے انیسؔ اپنی خوشی بس یہی ہے حشر کے دن　میں بھی اس جا ہوں جہاں پر مرا آقا ہووے

(۶۹)

فقیری میں دل بادشا چاہیئے　سلامی توکل سدا چاہیئے
سلامی تجھے اور کیا چاہیئے　غمِ شہ میں ہر دم بکا چاہیئے
کہا حُر نے حضرت کی روکی تھی راہ ق　مجھے اس خطا کی سزا چاہیئے
گلے سے لگا کر یہ شہ نے کہا　ملا خُلد اب اور کیا چاہیئے
دُولہن نے کہا رو کے صندل چھڑاؤ ق　بس اب خاک افشاں کی جا چاہیئے
بڑھائے مری ناک سے نتھ کوئی　مجھے سرخ پوشاک کیا چاہیئے
ہوئے قتل اکبر تو شہ نے کہا　دلا تجھ کو شکرِ خدا چاہیئے
دمِ قتل شہ نے کہا شمر سے ق　ترس مجھ پہ او بے حیا چاہیئے
اگر کاٹتا ہے گلے کو مرے　تو اک بوند پانی دیا چاہیئے
سرِ شہ سے زینب نے رو کر کہا ق　چھپانے کو منہ کے ردا چاہیئے
صدا آئی سر سے کہ بیکس بہن　بہر حال شکرِ خدا چاہیئے
سکینہ نے رو کر کہا شمر سے　یتیموں پہ خوفِ خدا چاہیئے
سرِ شہ سے زینب کو آئی صدا ق　نہ شکوہ نہ لب پر گلا چاہیئے

مناسب یہی ہے کہ ہر رنج میں ۔۔۔ بہن عاصیوں کی دعا چاہیئے
مجھے دردِ عصیاں سے ہوئے نجات ۔۔۔ لحد میں بھی خاکِ شفا چاہیئے
دُعا کر یہ خالق سے ہر دم انیسؔ ۔۔۔ مجھے اس کا شہ سے صلہ چاہیئے

(۷۰)

مجرئی قتل جب اکبر سا پسر ہو جائے ۔۔۔ غم سے کیوں ٹکڑے نہ سرور کا جگر ہو جائے
جبہہ سائی درِ شبیر کی ہوئے جو نصیب ۔۔۔ تو یقیں ہے کہ جبیں رشکِ قمر ہو جائے
قتل کی شب یہی شبیرؔ کی تھی حق سے دعا ۔۔۔ یا الٰہی کہیں جلدی سے سحر ہو جائے
کہتے تھے شہ عمرِ سعد اگر مہلت دے ۔۔۔ آج کی رات عبادت میں بسر ہو جائے
جس جگہ آب کا ہو کام غضب ہے یارو ۔۔۔ اس جگہ خنجرِ قاتل کا گذر ہو جائے
تیر اصغر کے گلے پر جو لگائیں ظالم ۔۔۔ کیوں نہ خم مثلِ کماں شہ کی کمر ہو جائے
شاہ فرماتے تھے رو کر مجھے غم ہے کہ کہیں ۔۔۔ قتلِ اکبر کی نہ صغرا کو خبر ہو جائے
پوچھا زینب نے ہوئی فتح تو سرور نے کہا ۔۔۔ سر کٹا دوں تو مہم جنگ کی سر ہو جائے
رن میں اکبر کو لگے تیر تو ماں کا اس کی ۔۔۔ ق ۔۔۔ تھا یہ نزدیک کہ سو ٹکڑے جگر ہو جائے
جا کے ڈیوڑھی پہ یہ چلائی کہ کہہ دو یا شاہ ۔۔۔ گھر میں اک دم کو مرا نورِ نظر ہو جائے
نانی کہتی تھی سفر سے پھریں جب تک شبیرؔ ۔۔۔ کہیں صغرا کا نہ دنیا سے سفر ہو جائے
کہتی تھی فاطمہ صغرا اگر آئیں بابا ۔۔۔ کیسا اُجڑا ہوا آباد یہ گھر ہو جائے
لائیں ڈھالیں تو یہ بیٹوں نے کہا زینب سے ۔۔۔ ق ۔۔۔ ایک اک نیمچہ بس زیبِ کمر ہو جائے
مرنے والوں کو تو درکار نہیں ہیں ڈھالیں ۔۔۔ چاہیئے جنگ میں سینہ ہی سپر ہو جائے

لگ کے چھاتی سے پدر کی یہ سکینہ نے کہا — پھر چلو سوئے وطن صلح اگر ہو جائے
بولے عابد اسے کیا سوجھے سوا رونے کے — جس کی آنکھوں سے نہاں روئے پدر ہو جائے
کہا سجاد نے اعدا جو مجھے رونے دیں — دامنِ دشت ابھی اشکوں سے تر ہو جائے
شاہ پر چھوڑ کے گھر بار فدا ہوں جو انیسؔ — ان کا کیونکر دلِ زہرا میں نہ گھر ہو جائے

(۱۷)

ذکرِ شہ کر کے محبّوں کو رُلایا میں نے — اپنا گھر مجرئی جنت میں بنایا میں نے
شاہ کہتے تھے مرے بھائی کے بازو کاٹے — اس پہ بھی ہاتھ نہ اُمّت پہ اُٹھایا میں نے
شاہ کہتے تھے کہ پیاسا مرا مہماں ہوا قتل — ق — حُر کے مرنے کا بڑا رنج اُٹھایا میں نے
آئی آواز علی کی نہ کُڑھو اے بیٹا — آبِ کوثر ترے مہماں کو پلایا میں نے
بانو کہتی تھی نہ دیتی میں رضا میداں کی — ق — ہائے اکبر تمہیں ہاتھوں سے گنوایا میں نے
کوئی حسرت نہ مرے دل کی نکلنے پائی — تم کو دولھا بھی نہ اے لال بنایا میں نے
شاہ کہتے تھے یہ قاصد سے بصد درد و بکا — ق — پانی دو روز سے قاصد نہیں پایا میں نے
کہیو صغرا سے کہ مشکل ہے وطن میں آنا — اب تو بی بی اسی جنگل کو بسایا میں نے
بانو کہتی تھی میں جیتی رہی ہے بے قسمت — ق — تیر بدلے علی اصغر کے نہ کھایا میں نے
جلتی ریتی پہ کیا آج اُنھوں نے آرام — چھ مہینے جنھیں چھاتی پہ سُلایا میں نے
مارا اکبر کو تو کہتا تھا یہی ابنِ نمیر — آج تصویرِ محمّد کو مٹایا میں نے
سر بے تن سے یہ حضرت کے صدا آتی تھی — نیزے پر مرتبہ معراج کا پایا میں نے
شمر کہتا تھا دکھا یا کیے وہ خشک زباں — ق — اور پانی نہ دمِ ذبح پلایا میں نے

نام زہرا و محمد کا تھا جس سے روشن — آج اس شمعِ ہدایت کو بجھایا میں نے
خولی کہتا تھا کہ زینب کو رُلانے کے لئے — ق — مسندِ سبطِ پیمبر کو جلایا میں نے
جو کہ کاندھے پہ محمد کے چڑھا تھا اکثر — اس کا سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھایا میں نے
کام عقبیٰ کا نہ کچھ کر چلا دُنیا میں انیس — ہائے کیا عمر کو غفلت میں گنوایا میں نے

(۷۲)

مجرا اسے جو لاغر و رنجور تن بھی ہے — محبوسِ طوق بھی ہے اسیرِ محن بھی ہے
پیدل تو آگے آپ ہے اور پیچھے اُونٹ پر — عریاں سر پھپھی بھی ہے ماں بھی بہن بھی ہے
کہتے تھے لوگ دیکھ کے زینب کو ننگے سر — یہ بنتِ فاطمہ بھی ہے شہ کی بہن بھی ہے
لشکر میں غل تھا آمدِ عباس سے ڈرو — فرزندِ مرتضیٰ بھی ہے اور صف شکن بھی ہے
رو رو سکینہ کہتی تھی اکبر کی لاش پر — ق — تیغوں سے ٹکڑے ہائے یہ نازک بدن بھی ہے
غلطاں ہیں خاک و خوں میں یہ رخسار چاند سے — ڈوبی لہو میں زُلفِ شکن در شکن بھی ہے
قاسم کا سر دکھا کے یہ حاکم سے بولا شمر — اوروں کے ساتھ قید میں اس کی دُلہن بھی ہے
زینب کا صبر دیکھ کے فرماتے تھے حسینؑ — ق — زہرا کا جو چلن تھا وہ اس کا چلن بھی ہے
دو بیٹے اپنے راہِ خدا میں فدا کئے — قائم مقامِ فاطمہؑ میری بہن بھی ہے
قاسم کا خیمہ دیکھ کے کہنے لگی قضا — شادی کا بھی مکاں ہے یہ بیت الحزن بھی ہے
حُلّے بہشت کے جو پہنتا تھا اس کی لاش — بے غسل بھی ہے ہائے غضب بے کفن بھی ہے
قاسم چچا سے کہتے تھے رُخصت ملے مجھے — اُمیدوارِ حرب کا ابنِ حسنؑ بھی ہے
وقتِ وداع کہتے تھے زینب سے رو کے شاہ — بھینا بس آج خاتمۂ پنجتن بھی ہے

کہتے تھے زخم کھا کے لعینوں سے رن میں شاہ — جز میرے کوئی سبطِ رسولِ زمن بھی ہے

پہنا شہانہ جوڑا تو قاسم نے یہ کہا — خلعت بھی بیاہ کا ہے یہی اور کفن بھی ہے

عابد نے جب کہا کہ نہ غسل و کفن ملا ق — بابا سا میرے کوئی غریب الوطن بھی ہے

یُوں وقتِ دفن آئی سرِ شاہ سے صدا — بیٹا نہ رُو، خاک سے بہتر کفن بھی ہے

بولا یزید دیکھ کے دندانِ شاہِ دیں ق — بے قدر ان کے سامنے دُرِّ عدن بھی ہے

چلائی بنتِ فاطمہ اس دم کہ اُو شقی — کچھ تجھ کو پاسِ روحِ رسولِ زمن بھی ہے

جلدی ہٹا چھڑی کو ستمگر کہ یہ دہن — زہرا کا بھی علیؑ و ولی کا دہن بھی ہے

مقبول ہے انیسؔ وہ جس کی زبان پر — حمدِ خدا بھی ہے صفتِ پنجتن بھی ہے

(۷۳)

مجرا اسے جو کہتی تھی بابا چلے گئے — صحت ہو گیا کہ میرے مسیحا چلے گئے

صغرا یہ رو کے کہتی تھی کس بکیسی سے ہائے — پھر پھر کے دیکھتے مجھے بابا چلے گئے

کہتی تھی رو کے مادرِ قاسم کہ میرے لال — جی بھر کے بھی دولہن کو نہ دیکھا چلے گئے

اکبر جو گم ہوئے تو یہ کہتے تھے شاہِ دیں — آزردہ ہو کے باپ سے بیٹا چلے گئے

کہتی تھی بانو جان چلی میری اُن کے ساتھ — اصغر کو لے کے جب شہِ والا چلے گئے

اصغر کو دیکھتی نہ سکینہ تو پوچھتی — اماں تمہاری گود سے بھیا چلے گئے

کہتی تھی بانو یاد جب آتے تھے شاہِ دیں — لونڈی کو دکھ میں چھوڑ کے آقا چلے گئے

منہ ڈھانپے بانو کہتی تھی رو رو کے میرے لال — کیا آئے ماں کی گود میں اور کیا چلے گئے

کہتی تھی بانو خواب میں اصغر کو دیکھ کر ق — مادر کو اپنی چھوڑ کے بیٹا چلے گئے

تم تو کسی کی گود میں اصغر نہ جاتے تھے ‌ ‌ ‌ کیونکر اَجل کی گود میں بیٹا چلے گئے
بالی سکینہ قید میں گھٹ کر یہ کہتی تھی ‌ ‌ ‌ اس دُکھ میں چھوڑ کر مجھے بابا چلے گئے
قسمت نے یاوری کی تو سُن لیجیئو انیسؔ ‌ ‌ ‌ اک روز کربلائے معلّا چلے گئے

(۷۴)

واجب الرحم تھے زنداں کے سزاوار نہ تھے ‌ ‌ ‌ مجرئی اہلِ حرم قابلِ بازار نہ تھے
شاہ فرماتے تھے ایسے ہیں ہمارے انصار ‌ ‌ ‌ نانا صاحب کے بھی اس طرح کے انصار نہ تھے
کہا زہرا نے فلک میں نے ستایا تھا کسے ‌ ‌ ‌ میرے بچے تو اس آفت کے سزاوار نہ تھے
برچھیاں زخموں کی پہنے ہوئے تھے ابنِ حسن ‌ ‌ ‌ کیا ہوا پھولوں کے گردن میں اگر ہار نہ تھے
صبحِ عاشور تلک ساتھ تھے مولا کے رفیق ‌ ‌ ‌ عصر کے وقت اکیلے تھے جلو دار نہ تھے
کہا صغرا نے کہ فرقت نے پدر کی مارا ‌ ‌ ‌ آگے اے صاحبو ہم ایسے تو بیمار نہ تھے
شکر ہی شکر نکلتا تھا لہو کے بدلے ‌ ‌ ‌ دہنِ زخمِ بدن دیدۂ خونبار نہ تھے
تیر اصغر کو جو مارا تو کہا سرور نے ‌ ‌ ‌ ہم گنہگار تھے بچے تو گنہگار نہ تھے
بولے عابد کہ فدائے شہِ دیں غیر ہوئے ‌ ‌ ‌ اک فقط ہم ہی شہادت کے سزاوار نہ تھے
گُل سے تلوؤں کا یہ عابد کے ہوا تھا احوال ‌ ‌ ‌ کونسا چھالا تھا وہ جس میں کہ دو خار نہ تھے
شہ کے دانتوں پہ چھڑی رکھ کے کہا ظالم نے ‌ ‌ ‌ ہم نے اس طرح کے دیکھے دُرِ شہوار نہ تھے
گر مسیحِ دو جہاں کا ہوا افضال انیسؔ ‌ ‌ ‌ اچھے یوں ہوئیں گے جیسے کبھی بیمار نہ تھے

(۷۵)

اعدا حرم کو مثلِ گنہگار لے گئے
مجرائی بے ردا سرِ بازار لے گئے

اعدا سے شاہ کہتے تھے اب جنگ کیا کروں
طاقت تو میری بھائی علمدار لے گئے

زینب نثار ہوگئی بیٹوں کے عزم پر
جب آکے دونوں جنگ کے ہتھیار لے گئے

جب اس نے خط دیا علی اکبر کے نام کا
قاصد کو لاش پر شہِ ابرار لے گئے

لکھا تھا فاطمہ نے علمدار کو گلہ
ہم کو نہ ساتھ عمِ وفادار لے گئے

کہتی تھی فوجِ شام کہ لہجہ عرب کا ہے
باتوں میں حر کو سیدِ ابرار لے گئے

اصغر لپٹ کے باپ سے روتے تھے بار بار
جب ماں کی گود سے شہِ ابرار لے گئے

مادر لپٹ کے تربتِ اصغر سے کہتی تھی
مجھ کو نہ ساتھ اے مرے دلدار لے گئے

کھینچی مہار اونٹوں کی مقتل سے شام تک
بارِ گراں یہ عابدِ بیمار لے گئے

بالوں سے منھ چھپائے ہوئے اشکبار تھے
مجلس میں جب حرم کو ستمگار لے گئے

لکھا ہے سرِ حسین کا روتا تھا طشت میں
سیدانیوں کو جب سرِ دربار لے گئے

روئیں گے ہم لپٹ کے مزارِ حسین سے
گر شہ کے در پہ طالعِ بیدار لے گئے

جائے گا تو انیس مقرر بہشت میں
سن لیجیو کہ حیدرِ کرار لے گئے

(۷۶)

چشموں میں اشک ہیں جو سراسر بھرے ہوئے
دامن میں مجرئی کے ہیں گوہر بھرے ہوئے

مشرق سے دادخواہ نکلتا ہے ہر سحر
منہ کو لہو سے خسروِ خاور بھرے ہوئے

صرفِ خزاں ہوا تھا جو گلزارِ فاطمہ
جھولی میں تھے اجل کی گلِ تر بھرے ہوئے

برسائے تھے یہ ظالموں نے شہ پہ تیرِ ظلم　　پیکاں تھے جسمِ پاک کے اندر بھرے ہوئے

کہتے تھے شاہ جاؤں گا نانا کے سامنے　　اصغر کے خوں سے روئے منوّر بھرے ہوئے

شہ کہتے تھے ہیں تشنگی میں میرے منتظر　　کوثر کا جام ساقیِ کوثر بھرے ہوئے

کہتے تھے شاہ شیرِ خدا ہوں میں ظالمو　　ہیں مجھ میں ذوالفقار کے جوہر بھرے ہوئے

مقتل میں لوٹتے تھے طیورانِ کربلا　　خونِ تنِ حسین سے شہپر بھرے ہوئے

جنت میں حوریں کہتی تھیں پیاسوں کے واسطے　　کوثر کے گرد رکھے ہیں ساغر بھرے ہوئے

صغرا کا رنگ اُڑ گیا دل کانپنے لگا　　آیا جو بال خوں میں کبوتر بھرے ہوئے

اکبر کی لاش ڈھونڈتے پھرتے تھے ہر طرف　　آنکھوں میں اشک سبطِ پیمبر بھرے ہوئے

پیشِ امیرِ شام گئے کس غرور سے　　تلواریں شہ کے خوں میں ستمگر بھرے ہوئے

عابد کو لے گئے تھے جو ظالم پیادہ پا　　تھے آبلوں میں خار سراسر بھرے ہوئے

یوں جلوہ گر تھے ظلمتِ زنداں میں اہلِ بیت　　دامانِ شب میں جیسے ہوں اختر بھرے ہوئے

بچوں سمیت گرمی میں رہتے تھے اہلِ بیت　　زنداں کے ایک حجرے کے اندر بھرے ہوئے

ٹکراتی تھیں جو رو رو کے سر اپنا بیبیاں　　تھے خوں سے قید خانے کے سب در بھرے ہوئے

سجّاد کے جو گل سے کفِ پا فگار رہے　　تھے خوں سے خار صورتِ نشتر بھرے ہوئے

عابد وطن میں کہتے تھے ظلمِ یزید سے　　افسوس خالی ہو گئے کیا گھر بھرے ہوئے

ماتم میں شاہ کے ہمہ تن درد ہوں انیس　　رگ رگ میں جائے خون ہیں نشتر بھرے ہوئے

(۷۷)

دکھایا ضعف نے یہ زور جب مکاں سے چلے　　مثالِ نبض وہیں رہ گئے جہاں سے چلے

خدا کی راہ کے سودے میں لب کو بند نہ کر
بڑی ہے خیر اگر کام کچھ زباں سے چلے

ہُوا سخن کا بہت شہر شہر میں شہرہ
جدھر قلم کی طرح ہم چلے زباں سے چلے

پکارتا ہے نہیبِ عدالتِ حیدر
کہ باز بچ کے کبوتر کے آشیاں سے چلے

خدا کی شان ہے منزل پہ کہتے تھے سجاد
یہ بوجھ بیڑیوں کا مجھ سے ناتواں سے چلے

درا کی ہے یہ صدا منزلیں ہیں سب پُر خوف
مسافرو نہ کوئی بڑھ کے کارواں سے چلے

یہ شرط ہے کہ نہ دعویٰ کروں طلاقت کا
کسی کی تیغ جو بڑھ کر مری زباں سے چلے

لکھی ہے بخت میں گردش جو صورتِ پرکار
پھر آگئے اسی مرکز پہ ہم جہاں سے چلے

بلا کسی طرف آئے گی رُخ ادھر ہوگا
نشانہ ہو گئے ہمیں تیر جس کماں سے چلے

لکھا ہے یہ کہ مکاں تھا وہ اُمِّ ہانی کا
رسولِ حق شبِ معراج جس مکاں سے چلے

زہے براقِ سُبک رَو کی تیز رفتاری
اس آسمان سے گذرے اس آسماں سے چلے

حریم حق میں جو پہنچے تو سر اُٹھا کے کہا
خدا کی شان کہاں آگئے کہاں سے چلے

انیسؔ بارِ علائق پہ اور بارِ گناہ
اُٹھا وہ بوجھ جو اس مشتِ استخواں سے چلے

(۵۸)

انساں کو چاہیے کہ خیالِ قضا رہے
ہم کیا رہیں گے جب نہ رسولِ خدا رہے

دُنیا کا بھی محل ہے عجب عاریت سرا
ہم آج رہ کے اُٹھ گئے کل اور آ رہے

بحرِ جہاں میں قطروں نے بھی سر اُٹھائے ہیں
دیکھیں کہ ان حبابوں کی کب تک ہُوا رہے

کشتی کو اس کی موجِ حوادث سے خوف کیا
بحرِ جہاں میں جس کا علی ناخدا رہے

زینب کو آرہی تھی صدا شہ کی بعدِ قتل
اب تا بہ حشر تم سے بہن ہم جدا رہے

کیا قہر ہے امام کو پہنائیں بیڑیاں — حبل المتین جو ہو وہ رسن میں بندھا رہے

یارب ہو بیچ میں لحدِ ذاکرِ حسین — ہو اس طرف نجف تو اُدھر کربلا رہے

اللہ کیا نمک ہے کلامِ انیسؔ میں — دشمن بھی گر پڑھے تو زباں پر مزا رہے

(۷۹)

سنگِ خارا ہے جو اس غم سے نہ ہو دل پانی — مجرئی شہ نے نہ پایا دمِ بسمل پانی

کس طرح غم سے نہ ہو مجرئی کا دل پانی — نہ ملا شہ کو تہہِ خنجرِ قاتل پانی

جانِ عباس لگی تن سے کنارا کرنے — بہہ گیا مشک سے جس دم لبِ ساحل پانی

کہتے تھے شہ ہمیں پانی نہیں دیتے اعدا — جانور پیتے ہیں آکر لبِ ساحل پانی

شاہ کہتے تھے کہ کیا نہر پہ جائیں پیاسے — جان دینے پہ بھی ہوتا نہیں حاصل پانی

چلتا تھا ذبح میں رُک رُک کے زبس خنجرِ شمر — حلقِ سرور سے صدا آتی تھی قاتل پانی

چین کچھ ہوئے تو ہو عالمِ باقی میں انیسؔ — راحت اس منزلِ فانی میں ہے مشکل پانی

(۸۰)

صورتِ آئینہ استغنا کے جو ہر کھل گئے — ایک دَرہم پر ہوا گر بند سو در کھل گئے

مہرِ حیدر جب ہوئی فردوس کے در کھل گئے — بابِ رحمت ہم پہ مثلِ بابِ خیبر کھل گئے

چرخ سے بہرِ رسول اُتری تھی بے شک ذوالفقار — آئی قبضے میں علی کے جب تو جو ہر کھل گئے

کب بیاں ہوسکتی ہے شہ کی مصیبت اے انیسؔ — جب پڑھے ہم نے مصائب غم کے دفتر کھل گئے

مخمس در منقبت حضرت امیر المومنین علیہ السلام

از میر انیس مغفور

علی فخرِ بنی آدم علی سر ل — علی سرور علی صفدر علی شیرِ صفِ میداں
علی ہادی علی ایماں علی لطف و علی احساں — علی حکمت علی شافی علی دارو علی درماں
علی جنت علی نعمت علی رحمت علی غفراں

علی واصل علی فاصل علی شامل علی قابل — علی فیض و علی جود و علی بذل و علی باذل
علی نوح و علی کشتی علی دریا علی ساحل — علی عالم علی عادل علی فاضل علی کامل
علی افضل علی مفضل علی لطف و علی احساں

علی آقا علی مولا علی سیّد علی سرور — علی کعبہ علی قبلہ علی مسجد علی منبر
علی تارک علی افسر علی زینت علی زیور — علی نور و علی انور علی دُرّ و علی گوہر
علی ساقی علی کوثر علی مالک علی رضواں

علی بحر و علی معدن علی بر و علی گلشن — علی فتح و علی نصرت علی آرامِ جان و تن
علی درع و علی خود و علی تیغ و علی جوشن — علی محسن علی احسن علی خازن علی مخزن
علی مامن علی مومن علی آہن علی ایماں

علی مخبر علی صادق علی بینا علی سامع — علی فائق علی فاتح علی صانع علی قانع
علی امر و علی نہی و علی حاکم علی مانع — علی شافع علی نافع علی رافع علی دافع
علی جامع علی قاطع علی حجت علی برہاں

علی عیسیٰ علی موسیٰ علی خضر و علی یحییٰ — علی دانا علی بینا علی گوہر علی دریا
علی حاکم علی عادل علی جنت علی طوبےٰ — علی قاضی علی اقصیٰ علی مرجع علی ملجا
علی یٰسیں علی طٰہٰ علی حرز و علی قرآں

علی سابق علی صادق علی ثابت علی قائد — علی اشرف علی اعلیٰ علی ناصر علی ماجد
علی کافی علی وافی علی واجد علی شاہد — علی واحد علی زاہد علی راکع علی ساجد
علی مرشد علی ہادی علی رہبر علی رہباں

امامِ مشرق و مغرب شریفِ یثرب و بطحا — امیں حامیٔ پیغمبر امام مسجدِ اقصیٰ
علیم و عالم اسرارِ سبحان الذی اسریٰ — علی والی علی عالی علی والا علی اعلیٰ
علی جامع علی فارق علی اولیٰ علی فرقاں

انیسؔ ان چند بندوں کا صلہ ہے گلشنِ جنت — نہ گھبرا اس مرض سے بعد ہے آزار کے راحت
نئی طاقت بھی دیں گے ان کو ہے ہر طرح کی قدرت — علی حرمت علی نصرت علی شوکت علی حشمت
علی حکمت علی صحت علی دارو علی درماں

مناجات

مبتلائے غم دلِ ناشاد ہے — منحرف چرخِ ستم ایجاد ہے
یہ زمانہ بر سرِ بیداد ہے — آپ پر روشن مری روداد ہے
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں فریاد ہے

یا علی یا ایلیا یا بُوالحسن　　اے رسولِ کبریا کے جان و تن
اے مددگارِ حبیب ذُوالمنن　　ہے ہجوم حسرت و رنج و محن

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرُالمومنیں فریاد ہے

ہے مدد کا وقت یا شاہِ نجف　　اک طرف میں اور زمانہ اک طرف
دیجئے مولا صدائے لاتخف　　جانِ شیریں مفت ہوتی ہے تلف

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنیں فریاد ہے

دکھ تو یہ اور ہمنفس کوئی نہیں　　دیکھتا ہوں پیش و پس کوئی نہیں
میں تنِ تنہا ہوں بس کوئی نہیں　　آپ ہیں فریادرس کوئی نہیں

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرُالمومنیں فریاد ہے

روز و شب رہتا ہے راحت میں خلل　　کل نہیں اک آن دل کو آج کل
بجھ گیا ہے خود بخود دل کا کنوَل　　آپ گر چاہیں تو سب عقدے ہوں حل

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنیں فریاد ہے

سب طرح کی آپ کو قدرت ہے آج　　جس کو چاہیں اس کو بخشیں تخت و تاج
خود بخود افسردہ رہتا ہے مزاج　　اے مسیحا کیا کروں اس کا علاج

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں فریاد ہے

آپ ہیں نامِ خدا دستِ خدا آفتابِ مشرقِ لطف وعطا
جانشینِ حضرتِ خیرُالورا مقتدا والا ہمم بحرِ سخا

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں فریاد ہے

سب پہ روشن ہے یہ اے والا جناب مہر سے ذرّے کو کر دو آفتاب
ان دنوں ہے دل کو رنج و اضطراب حل مری مشکل بھی ہو جائے شتاب

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں فریاد ہے

ہے محبت دل کو جو حد سے زیاد بھولتی اک دم نہیں حضرت کی یاد
آپ پر ظاہر ہے میرا اعتقاد کس سے مانگوں پھر بھلا دل کی مراد

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں فریاد ہے

اے خدیوِ ملکِ دیں شاہِ حجاز اے دو عالم کے معین و کارساز
اے دُرِ دریائے رازِ بے نیاز قلزمِ آفت میں ہے میرا جہاز

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں فریاد ہے

آپ کے در کا گدا ہوں یا علی نامِ اقدس پر فدا ہوں یا علی
لائقِ لطف و عطا ہوں یا علی قیدیِ دامِ بلا ہوں یا علی
اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنیں فریاد ہے

ایک سینہ اور سو حسرت کے داغ گھر نہ بھاتا ہے نہ صحرا اور نہ باغ
بجھ گیا ہے دل نہیں غم سے فراغ گر مراد آئے تو روشن ہو چراغ
اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنیں فریاد ہے

ہے زباں پر قصۂ سلمان و شیر سرکشوں کو کر دیا حضرت نے زیر
خود کئے فاقے کیا بھوکوں کو سیر میرے مطلب میں شہا کیوں اتنی دیر
اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرُالمومنین فریاد ہے

کھول دو عقدوں کو یا مشکل کشا تھام لیجے ہاتھ یا دستِ خدا
آپ ہیں کونین کے حاجت روا میں پکاروں کس کو حضرت کے سوا
اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرُالمومنیں فریاد ہے

دُرِ بحرِ صولت و شوکت ہیں آپ اور قسیم کوثر و جنت ہیں آپ
عاصیوں کے واسطے رحمت ہیں آپ ناخدائے کشتیِ اُمت ہیں آپ

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرؐ المومنیں فریاد ہے

بطنِ ماہی میں ہوئے یونس جو بند   خارِ خارِ غم سے تھا دل دردمند
آپ نے ان پر نہ آنے دی گزند   فکر میں ہے میری جانِ مستمند

اب مدد کیجئے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں فریاد ہے

مصر کے زنداں میں یوسف تھے اسیر   اور نہ تھا غربت میں کوئی دست گیر
دی رہائی ان کو اے کل کے امیر   قیدِ غم میں حال ہے میرا تغیر

اب مدد کیجئے دمِ امداد ہے
یا امیرؐ المومنیں فریاد ہے

شاہِ من مقصودِ امرِ کُن فکاں   شیرِ حق مطلوبِ روح و جسم و جاں
عالمِ اسرارِ پیدا و نہاں   قاسمِ روزی امامِ دو جہاں

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں فریاد ہے

زیبِ فرش و عرش و کرسی و فلک   خادمِ درگاہِ عالی ہیں ملک
مالکِ کل ہو نہیں کچھ اس میں شک   میرے مطلب میں تامل اب تلک

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں فریاد ہے

یا علیؑ روحی و قلبی فداک تاجِ سر ہے آپ کے قدموں کی خاک
تیغِ غم سے ہے کلیجہ چاک چاک لاکھ صدموں میں ہے جانِ دردناک

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرؑ المومنیں فریاد ہے

العطا اے تاجدارِ ھل اَتیٰ الحفیظ اے شہسوارِ لا فتیٰ
الاماں اے ضیغمِ ربِّ علا الغیاث اے خسروِ خیبر کُشا

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرؑ المومنیں فریاد ہے

اے چراغِ طورِ ایماں الغیاث اے محمدؐ کے دل و جاں الغیاث
اے شہنشاہِ غریباں الغیاث الغیاث اے شاہِ مرداں الغیاث

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں فریاد ہے

آپ کو رُوحِ پیمبرؐ کی قسم آپ کو زہرائے اطہرؑ کی قسم
آپ کو شبیّرؑ و شبّرؑ کی قسم آپ کو سلمان و قنبر کی قسم

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرؑ المومنیں فریاد ہے

قربِ زین العابدیںؑ کا واسطہ باقرِؑ علمِ مبیں کا واسطہ
جعفرِؑ صاحب یقیں کا واسطہ کاظمِؑ گردوں نشیں کا واسطہ

بہرِ سوزِ سینۂ موسیٰ رِضا　　بہرِ اکرامِ تقیِ مقتدا
بہرِ توقیرِ نقی شاہِ ھُدا　　بہرِ قربِ عسکریِ باخدا

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں فریاد ہے

مہدیِ ہادی کا صدقہ یا امام　　مطلبِ دل میرے بر لاؤ تمام
مجھ سے ہو سکتا نہیں کچھ انتظام　　آپ پر موقوف ہیں سب میرے کام

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں فریاد ہے

ہے زیارت کے لئے دل بے قرار　　روضۂ اقدس پہ ہوں کیونکر نثار
ہاں بلا لے اے امیرِ تاجدار　　آپ ذی قدرت ہیں میں بے اختیار

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں فریاد ہے

گھیرے رہتی ہے مجھے اکثر بلا　　ہند میں موجود ہے گھر گھر بلا
میں بلا گرداں کر و رد ھر بلا　　ہو نجف مسکن تو مدفن کربلا

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرا لمومنیں فریاد ہے

طبع میں مولا روانی دیجئے　　تشنۂ کوثر ہوں پانی دیجئے
طاقتِ رنگیں بیانی دیجئے　　دل کو شوقِ مدح خوانی دیجئے

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرُالمومنیں فریاد ہے

آپ کا مدّاحِ احقر ہے انیسؔ   سب ثنا خوانوں سے کمتر ہے انیسؔ
عاجز و حیران و مضطر ہے انیسؔ   بندۂ سلمان و قنبر ہے انیسؔ
اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیرالمومنیں فریاد ہے

ڈاکٹر سیّد صفدر حسین کی تصنیفات و تالیفات

آئینِ وفا	(مرثیہ در حالِ حضرتِ عباس علمدارؑ)
جلوۂ تہذیب	(مرثیہ در حالِ حضرتِ علی اکبرؑ)
چراغِ مصطفویؐ	(مرثیہ در حالِ حضرتِ امام حسین علیہ السلام)
مرثیہ بعدِ انیسؔ	(میر انیسؔ کے بعد مرثیہ کی رفتار کا جائزہ)
شاہکارِ انیسؔ	(اردو میں مسلسل رزمیہ نظم کی صورت میں کلامِ انیسؔ کی ترتیب)
واقعاتِ انیسؔ	(مؤلفہ مہدی حسن احسنؔ لکھنوی)
نادراتِ مرزا دبیر	(مرزا دبیرؔ کے غیر مطبوعہ نادر کلام کا مجموعہ)
عرفانِ جمیل	(علامہ جمیل مظہری کے مدحیہ و عزائیہ کلام کا مجموعہ)
رنگِ شہادت	(بیانؔ و یزدانی مرحوم کے عزائیہ کلام کا مجموعہ)
قندیلِ حرم	(بیانؔ و یزدانی مرحوم کی نعتوں کا مجموعہ)
محفلِ اعجاز	(ڈاکٹر سیّد صفدر حسین کے جدِّ امجد سیّد حسن رضا حسنؔ کے مراثی کا مجموعہ)
بزمِ ناظمؔ	(ناظم الہند سیّد ناظر حسین ناظمؔ مرحوم کے مراثی کا مجموعہ)
سیّد التاریخ	(تاریخِ ساداتِ بارہہ مؤلفہ سیّد روشن علی مرحوم)
سیّدانِ بادشاہ گر	(ساداتِ بارہہ کے دو عظیم فرزندوں یعنی قطب الملک اور امیر الامراء کے حالات)
لبِ فرات	(ڈاکٹر سیّد صفدر حسین کے مراثی کا مجموعہ مع تبصرہ تنقید)
مقامِ شبیریؑ	(مرثیہ در حالِ حضرتِ امام حسین علیہ السلام)
پیمبرانِ سخن	(مرثیہ نگاروں کے حالات مؤلفہ شاد عظیم آبادی)
لکھنؤ کی تہذیبی میراث	(تاریخ، تمدن اور تہذیب)
رزم نگارانِ کربلا	(اردو مرثیہ کے آرائش کار)
تجلّیاتِ انیسؔ	(میر انیسؔ کے سلاموں کا مجموعہ)
زادِ آخرت	(آغا شاعر قزلباش دہلوی کا [illegible]ت)
افرادِ غم	(سیّد محمود حسن عقیلؔ کا خرا[illegible]ب بحضورِ اہلِ بیت)

سنگِ میل پبلی کیشنز ۔ چوک اردو بازار ۔ لاہور